قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰

ٹیلیفون: ۸۷۹۲۴۶

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری

معاون: ثریّا عندلیب

ڈاکٹر صلاح الدّین اکبر

ناشر: عطاء الرحمٰن آرائیں

طابع: خالد منصور نسیم

مطبع: النور پرنٹرز و پبلشرز

۳/۴ فیصل نگر، ملتان روڈ، لاہور ۲۵

ٹیلیفون ——— ۴۸۵۸۲۶

مقامِ اشاعت: ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

جلد ۴۴ ——— جولائی ۱۹۹۱ء ——— شمارہ ۷

بدلِ اشتراک

سالانہ

پاکستان ——— ۱۲۰ روپے

بیرونی ممالک ——— ۱۸ امریکی ڈالر

فی پرچہ: -/۱۰ روپے

فہرست مضامین

۱-	لمعات		۲
۲-	شرابوں کی بیچارگی	ادارہ	۱۲
۳-	پرویز کی مخالفت	پروفیسر حسنین کاظمی	۱۵
۴-	منتخب نمائندوں کا احسان عظیم	محمد عمر دراز	۱۹
۵-	بابا جیؒ کی یاد میں	ثریا عندلیب	۲۵
۶-	الاسلام	ادارہ	۲۸
۷-	نسخہ کیمیا	محمد قاسم نوری	۲۹
۸-	میں بہت دکھی ہوں	روبینہ صادق	۴۰
۹-	شریعت بل	حسین امیر فرہاد	۴۲
۱۰-	سیاسی پارٹیاں اور اسلام	حنیف وجدانی	۴۶
۱۱-	تغیر نفس	محمد اشرف ظفر	۵۸
۱۲-	حقائق و عبر	ادارہ	۶۴
۱۳-	قرآن بچوں کے لئے	قاسم نوری	۶۹
۱۴-	نقد و نظر Pakistan: From Hash to Heroin		۷۳
۱۵-	The caste System by Huzaima Bukhari		۸۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

''نفاذ شریعت ایکٹ'' اور وحدت ملت

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملّت
وحدت ہو فنا جس سے وُہ اِلہام بھی اِلحاد

(اقبال)

وحدت فکر

وحدت فکر افراد ملت کے قلب و نظر کی ہم آہنگی سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ بنیاد ہے جس پر وحدت عمل کی عمارت استوار ہوتی ہے اور اسی وحدت فکر و عمل کا نام وحدت امت ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب افراد کے سامنے اس اسلام کے بنیادی تصورات کا متفق علیہ متعین مفہوم ہو' جس کی طرف یہ امت اپنے آپ کو (لفظاً" ہی سہی) منسوب کرتی ہے۔ اس کے سوا مسلمانوں میں وحدت تو ایک طرف اتحاد پیدا کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں۔ یہ جو ملک عزیز پاکستان کے دس کروڑ مسلمانوں میں اس قدر نزاعات و اختلافات' اس قدر فقدانِ وحدت و عدم اتحاد ہے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ ان میں فکری وحدت نہیں۔ نتیجہ اس کا وہ ذہنی انتشار اور عملی خلفشار ہے جس میں امت بری طرح گرفتار ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ ہیں:

چیست ملت ایکہ گوئی لا الہ ؟
با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

(اے لا الہ کہنے والے! تجھے معلوم ہے کہ ملت کیا ہے' کیسے بنتی ہے ؟ ہزاروں نگاہیں اگر ایک ہی رخ کی

طرف دیکھیں تو ملت بنتی ہے۔ یعنی جب مقصود و منتہی ایک ہو۔ نظریہ ایک ہو' راستہ ایک ہو تو ملت ابراہیم بنتی ہے) اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے بہ "باہزاراں چشم بودن یک نگاہ" اسی صورت میں ممکن ہے جب تمام افراد ملت کے سامنے دین اسلام کے بنیادی تصورات کا متفق علیہ اور متعین مفہوم ہو۔ اس کے بغیر نہ وحدت فکر ممکن ہے اور نہ وحدت امت' یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ان تصورات کی جنہیں اسلام کی بنیاد کہا گیا ہے سند کیا ہے ؟ اس کا جواب آسان ہے۔ قرآن حکیم اسلام کا ضابطہ قوانین ہے۔ دین اس کے اندر مکمل اور محفوظ کر دیا گیا ہے' لہٰذا اسلامی تصورات وہ ہیں جن کی سند قرآن حکیم سے مل جائے۔ ان تصورات کو واضح' غیر مبہم اور متعین طور پر سامنے لانے کے لئے قرآن کی تعلیم عام کرنی ہو گی۔ قرآنی تعلیم سے مراد وہ تعلیم نہیں جو ہمارے مذہبی مدارس میں "دینی علوم" کی شکل میں دی جاتی ہے۔ قرآن کی تعلیم ایسی ہونی چاہیے کہ متعلم' علیٰ وجہ البصیرت یہ محسوس کرنے لگے کہ بلاشبہ یہ کتاب عظیم نوع انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطہ حیات ہے اور انسانیت کی مشکلات کا صحیح حل اس کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا اور جبکہ فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو پھر سے ایک برادری کے افراد بنانا اسی کی تعلیم سے ممکن ہے۔ یہی اس کے نزول کا مقصد ہے۔

نزول قرآن کا مقصد

قرآن حکیم نے تو اپنے نزول کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ وہ ان تمام اختلافات کو جن میں نوع انسانی گرفتار ہے' مٹا کر اللہ کا الدین (انسانوں کے لئے اللہ کا مقرر کردہ نظام زندگی) قائم کر کے امت واحدہ میں تبدیل کرے گا۔ وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ ..... (۱۶ ، ۶۴) (رسولؐ!) تجھ پر یہ کتاب (القرآن) صرف اس لئے نازل کی گئی ہے کہ جن امور میں یہ لوگ باہمی اختلافات کرتے ہیں ان کی حقیقت ان پر کھول دے تا کہ باہمی اختلافات مٹنے کے بعد نوع انسانی امت واحدہ بن سکے) اس کے بعد' جو لوگ اس دین واحد کی صداقت کو تسلیم کر لیں گے' یہ کتاب انہیں زندگی کے صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کرے گی اور اس طرح ان کے لئے موجب رحمت بن جائے گی .... وھدی و رحمۃ لقوم یومنون (۱۶ ، ۶۴) یعنی تبیان حقیقت تو تمام انسانوں کے لئے یکساں ہو گی لیکن ہدایت اور رحمت صرف ان

کے لئے ہو گی جو اس کی صداقت پر ایمان لے آئیں گے (اور عمل کریں گے) اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی کہ قرآن کا مقصد اولیں اختلافات کو مٹا کر دین کی وحدت کا قیام ہے اور اختلافات کا مٹ جانا اللہ کی رحمت ہے۔ (اور دیکھیں ۱۱۹ - ۱۱۸ : ۱۱) یہ قرآنی مقصد محمد رسول اللہ والذین معہ (۲۹ ر ۴۸) کا مقصد حیات تھا اور اب رسول اللہ کے امتی ہونے کے ناطے سے ہمارا ہے۔ ہمارے ہر عمل کی بنیاد اسی قرآنی مقصد پر اٹھنی چاہیے۔ یہی مقصد "نفاذ شریعت ایکٹ" کا ہونا چاہیے۔

دیکھنا یہ ہے کہ "نفاذ شریعت ایکٹ" کی بنیاد اسی قرآنی مقصد پر رکھی گئی ہے یا نہیں یعنی اختلافات مٹا کر دین کی وحدت کا قیام ؟ (نوٹ : اس جائزہ میں نفاذ شریعت ایکٹ کی صرف ایک شق "شریعت اور اس کی تشریح اور توضیح" پر بحث کی گئی ہے)

نفاذ شریعت ایکٹ

حکومت وقت "نفاذ شریعت ایکٹ" کو ایک ایسا تاریخی کارنامہ قرار دے رہی ہے جو بقول اس کے نظریہ پاکستان کی تکمیل کا نقطہ آغاز ثابت ہو گا۔ دوسری طرف حزب اختلاف اسے ایک ایسا "سیاسی ہتھکنڈہ" پکار رہی ہے جس کا مقصد بقول اس کے "لوگوں کی توجہ ملک بھر اور خصوصاً سندھ میں امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورت حال سے ہٹانا ہے" یہ ہے اسلام کے نام پر ہماری سیاست اب ہماری قوم "تاریخی کارنامہ" اور "سیاسی ہتھکنڈہ" کی بحث میں الجھی رہے گی ! اخبارات میں شریعت ایکٹ کا جو متن شائع ہوا ہے اس کا بغور جائزہ لینے کے بعد ذہن میں جو تاثر ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ شریعت ایکٹ میں امت میں اتحاد کی بنیاد قلب و نظر کی ہم آہنگی پر نہیں بلکہ تفریق (Unity In Diversity) پر ہے۔ یعنی فرقہ سازی پر۔

پاکستان میں "مسلمانوں کے مسلمہ فرقوں" کو آئینی سند تو پہلے ہی عطا کر دی گئی ہے اس ایکٹ میں انہیں قانونی تحفظ بھی فراہم کر دیا گیا ہے۔ غور فرمائیے ! اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اسلامی دستور میں مذہبی فرقوں کو آئینی اور قانونی تحفظ !! یا للعجب ! قرآن حکیم امت میں فرقوں کے وجود کو شرک سے تعبیر کرتا ہے۔ (۳۲ - ۳۱ : ۳۰) قرآنی احکام کی یہ سنگین خلاف ورزی دیکھ کر حضور نبی اکرم کی وہ شکایت آنکھوں

کے سامنے پھر گئی۔ **وقال الرسول یرب ان قومی اتخذوا ھذا القرن مھجورا**" (۳۰ ر ۲۵) "اور رسول کہے گا کہ اے میرے رب ! یہی ہے میری وہ قوم جس نے اس قرآن کو اپنے خود ساختہ معتقدات کی رسیوں سے اس طرح جکڑ دیا تھا کہ یہ آزادی سے دو قدم چلنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔(انہوں نے اپنے آپ کو قرآن کے تابع رکھنے کے بجائے اسے اپنے مسلک و مشرب کے تابع رکھ چھوڑا تھا) غور فرمایا آپ نے قیامت کے روز رسول اللہ ہماری یعنی (امت ر قوم کی) شفاعت نہیں شکایت کریں گے۔ ڈریئے اس دن سے جس دن رسول اللہ کی انگشت مبارک یہ کہتے ہوئے اٹھے گی یہی ہے میری وہ قوم (امت) انگلی کی زد میں آنے سے خود بھی بچئے اور قوم کو بھی بچایئے۔اللہ قرآن کو "مھجور" نہ بنایئے۔ سوچئے جس امت کا یہ فریضہ تھا کہ قرآنی تعلیم کو عام کرکے انسانوں کے تفرقے مٹاتی چلی جائے اور اس طرح انہیں پھر سے ایک عالمگیر برادری کے افراد بناتی چلی جائے' آج نہ صرف خود مذہبی فرقوں اور پارٹیوں میں بٹی پڑی ہے بلکہ فرقوں کے وجود کو آئینی اور قانونی تحفظ بھی فراہم کر رہی ہے !۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
یہ کس اسلام کی شریعت ہے جو نافذ کی جا رہی ہے ؟

دین اور شریعت

مجوزہ شریعت ایکٹ میں "شریعت" کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے :
"شریعت کا مطلب قرآن و سنت کے بیان کردہ اسلامی احکامات ہیں۔"

وضاحت : "شریعت کی تشریح و توضیح کرتے وقت قرآن و سنت کی تشریح و توضیح کے مسلمہ اصولوں کی پیروی کی جائے گی اور راہنمائی کے لئے اسلام کے مسلمہ فقہا کی تشریحات اور آراء کا لحاظ رکھا جائے گا جیسا کہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ (ا)وضاحتی نوٹ میں "ذکر کیا گیا ہے" دستور کی دفعہ ۲۲۷ کے وضاحتی نوٹ (Explanation) میں کہا گیا ہے کہ "ہر مذہبی فرقہ پرسنل لاز (شخصی قانون) کی حد تک قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر اپنے اپنے فرقے کی فقہ و روایات کے مطابق کر سکتا ہے۔" گویا اب ہر فرقے کا اپنا اپنا اسلام ہو گا۔ یا عجب !"شریعت ایکٹ" ایسے فرقوں کی تعداد کے بارے میں خاموش ہے جن کو پرسنل لاز

ں حد تک قرآن و سنت کی اپنی اپنی تشریح و تفسیر کی اجازت ہو گی۔

سوال اٹھتا ہے کہ کیا قرآن حکیم فرقہ سازی کو شرک قرار نہیں دیتا۔ یقیناً دیتا ہے (۶:۱۶۰،۳۰:۳۱-۳۲) تو پھر مجوزہ شریعت ایکٹ میں مذہبی فرقوں کو تسلیم کرنا ان کو شرک نہ سمجھنا اور ان کو قرآن حکیم سے احکام کی اپنی اپنی روایات کے مطابق تاویل کرنے کا حق کو تسلیم کرنا۔ قرآن حکیم کو "مہجور" بنانے کی بھونڈی کوشش نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہ تکذیب قرآن و سنت نہیں ہے؟

وہ کون سا اسلام ہے جس میں پرسنل لاز اور پبلک لاز کی تفریق کا تصور موجود ہے؟ یہ فرقوں والے اسلام میں تو ہو سکتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کے عطا کردہ دین الحق میں ہرگز نہیں۔ دین اسلام تو ایک ایسا نظام حیات ہے جس میں عقائد عبادات' باہمی معاملات ' امور مملکت' پرسنل اور پبلک لاز وغیرہ سب باہمدگر پیوست بلکہ ایک دوسرے میں مدغم ہوتے ہیں۔ ان میں تفریق شرک ہے۔ اگر کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کے تصفیہ کے لئے حکومت (اسلامی) کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور اس کے فیصلے کے سامنے ہر ایک کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ کہئے مسلمانوں کے اختلافات اور افتراقات ختم کرنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کون سا ہو سکتا ہے۔ اسلام کا مقصود اور اس کے عملی نظام (دین) کی غایت ہی یہ ہے کہ نوع انسان کے اختلافات کو ختم کرکے اسے وحی خداوندی (القرآن) کی بنیادوں پر ایک عالمگیر برادری بنا دیا جائے۔ (۲:۲۱۳؛۱۰:۱۹) اس کے برعکس "شریعت ایکٹ" کی غرض و غایت یہ نظر آتی ہے کہ مذہبی فرقوں کو جن میں پاکستان کے مسلمان بٹے پڑے ہیں' مٹانے کی بجائے' برقرار رکھا جائے۔ دستور کی دفعہ ۲۲۷ وضاحتی نوٹ کا بھی یہی مقصد ہے۔ کیا اس سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ قرآن حکیم (معاذ اللہ ثم' معاذ اللہ) نہ تو قول فیصل ہے نہ معیار حق و باطل ہے اور نہ ہی اس کے احکام محکم واضح اور مستحق ہیں؟ یہ قانون خداوندی سے مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ **ولاتتخذو ایت اللہ ھزوا** "قانون خداوندی کو یونہی مذاق نہ سمجھو" بلکہ اللہ کے نظام کو سمجھو اور اس پر عمل پیرا ہو' پیشتر اس کے مہلت کا وقفہ ختم ہو جائے۔

اللہ کا نظام ـــــ اسلام

اسلام کا نظام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں (بجز چند مستثنیات) دین کے صرف اصول دیئے

ہیں۔ یہ اصول اور وہ چند احکام جو قرآن حکیم میں دیئے گئے ہیں) ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے، لیکن ان اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ہر زمانے کی امت اپنے لئے جزئی احکام اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق باہمی مشورے سے خود مرتب کرے گی۔ قرآنی اصول غیر متبدل رہیں گے اور یہ جزئی احکام تبدیل ہوتے رہیں گے۔ ان جزئی احکام کو اگر شریعت کہا جائے گا تو یہ شریعت بدلتی رہے گی اور اصول شریعت غیر متبدل رہیں گے۔ یہ ہے "قرآنی شریعت"۔ اب آیئے دیکھیں "فقہی شریعت" سے کیا مراد ہے جسے ہمارے ہاں نافذ کیا جا رہا ہے۔

فقہی شریعت

ہمارے ہاں فقہ کا لفظ اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد ہوتی ہے وہ احکام شریعت جن پر کسی خاص امام کے پیرو عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ احکام ان آئمہ فقہ کے مرتب کردہ ہوتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے والوں کے تفقہ (عقل) کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ ان پر تقلیداً عمل کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس قسم کے نظام فقہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کی رو سے اسلامی مملکت، قرآنی اصولوں کی روشنی میں اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزوی قوانین خود مرتب کرتی ہے۔ یہ اس دور کے احکام شریعت قرار پاتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے قرآنی اصول و قوانین ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہتے ہیں لیکن یہ جزئی احکام، زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدل سکتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی فقہ جامد احکام کا نام نہیں، جن پر تقلیداً عمل پیرا ہوا جائے۔ یہ ہر آن ترقی کرنے والی قوم کے نظام عمل کا نام ہے۔ لیکن بڑے ہی دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ اب اسلام (نظام عمل) نام رہ گیا ہے ہزار سال پہلے کے انسانوں کے بنائے ہوئے فقہی احکام کا جس کی اجارہ دار مذہبی پیشوائیت ہے۔ یعنی وہ علماء و مشائخ جنہوں نے دین کو کاروبار بنا رکھا ہے اور اس سے دنیا کماتے ہیں۔ (۴۱ ر ۲) قرآن کے الفاظ میں اسلام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ایسے ہی علما و مشائخ کا وجود ہے جو اپنے آپ کو انسان اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دیتے ہیں) (۳۴ ر ۹) یہ امت میں اتحاد قائم نہیں ہونے دیتے۔ انہیں ڈر ہے کہ اگر اللہ کا قانون رائج ہو گیا تو ان کی اجارہ داریاں ختم ہو جائیں گی۔ مذہبی پیشوائیت چاہتی یہ ہے کہ مملکت میں ایسا نظام ہو جس

میں امور سیاست' حکومت کی تفویض میں رہیں اور امور مذہب' مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں۔ بالفاظ دیگر یہ دینی نہیں سیکولر انداز میں حکومت چاہتی ہے۔ یہ امت میں وحدت فکر پیدا کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی۔ اپنی عافیت امت میں تفریق میں سمجھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مذہبی پیشوائیت کے علمبرداروں نے اس وقت کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر پاکستان کو مدد دینا شروع کی تو ان کی کوششوں سے پہلی بار ۱۹۸۰ء میں دستور کے آرٹیکل نمبر ۲۲۷ میں ایک "تشریح" کا اضافہ کیا گیا جس کے الفاظ ملاحظہ ہوں "ہر مذہبی فرقہ پرسنل لاز (شخصی قانون) کی حد تک "قرآن و سنت" کی تشریح و تعبیر اپنے فرقہ کی فقہ و روایات کے مطابق کر سکتا ہے۔" یعنی جس فرقہ واریت اور گروہ بندیوں کو ختم کرنے کے لئے قرآن حکیم کا نزول ہوا تھا (۲۱۳ ر ۲) اسے فرد واحد نے مذہبی پیشواؤں کی مدد سے نہ صرف جائز قرار دے دیا (نعوذ باللہ) بلکہ آئینی سطح پر قانونی جنگ و جدل کی بنیاد بھی رکھ دی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے منزل من اللہ کتاب کی خصوصیت کبریٰ یہ بتائی ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا (۸۲ ر ۴) اس کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کی ماننے والی امت میں بھی کوئی اختلاف اور تفرقہ پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب کتاب خداوندی کے ساتھ وہ کچھ کیا جائے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کتاب میں بھی اختلاف پیدا ہو جائیں گے اور اس کے ماننے والی قوم بھی فرقوں میں بٹ جائے گی۔

"نفاذ شریعت ایکٹ ۹۱ء" کی بنیاد دستور کے آرٹیکل نمبر ۲۲۷ کی اسی "تشریح" پر رکھی گئی ہے۔ اب آپ ہی کہئے کہ جو بنیاد ہی یکسر غیر قرآنی اور غیر اسلامی ہو' اس پر جو عمارت کھڑی ہو گی وہ اسلامی کیسے بن جائے گی؟ وہ شریعت خداوندی کیسے کہلوائے گی؟ سورۃ البقرہ میں آیا ہے: **ولا تلبسو الحق بالباطل وتکتمون الحق وانتم تعلمون** (۴۲ ر ۲) "تم نہ تو تلبیس حق و باطل کرو اور نہ ہی دیدہ دانستہ کتمان حقیقت" تلبیس حق و باطل کے معنے یہ ہیں کہ احکام خداوندی اور اپنی خود ساختہ شریعت کو اس طرح خلط ملط کر دینا کہ ان میں امتیاز اور پہچان مشکل ہو جائے اور کتمان حقیقت کے معنی ہیں کہ اصل بات کو چھپائے رکھنا۔ یہ مذہبی پیشوائیت کی عام روش ہے خواہ ان کا تعلق کسی مذہب سے ہو۔ وہ کرتے یہ ہیں کہ **یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عنداللہ** (۷۹ ر ۲) "خود احکام وضع کرتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ شریعت خداوندی ہے کبھی وہ یہ کرتے ہیں کہ **یحرفون الکلم عن مواضعہ** "احکام خداوندی کو ان کے صحیح مقامات سے ہٹا کر ادھر ادھر کر دیتے ہیں اور پھر ان کی من مانی تاویلوں اور

تفسیروں سے ان کا کچھ سے کچھ مفہوم متعین کر دیتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

(اقبال)

یہی بات سورۃ الشوریٰ میں کہی گئی ہے: **ام لھم شرکٰؤا شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ** (۲۱ ر ۴۲) "اللہ کے یہ شریک وہ (علماء و مشائخ) ہیں جو ان کے لئے اس قسم کی شریعت وضع کر دیتے ہیں جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا ہوتا۔ "جس تشریح" کا دستور کے آرٹیکل نمبر ۲۲۷ میں اضافہ کیا گیا ہے اس کا حکم قرآن میں کہیں نہیں ملتا۔ یہ ہمارے علماء و مشائخ کی من مانی تاویلوں کا نتیجہ ہے۔ بقول اقبال انہوں نے تازہ شریعت ایجاد کر دی ہے:

قرآن کو بازیچہ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

انہی علماء و مشائخ کے بارے میں سورۃ التوبہ میں آیا ہے: **یا یھا الذین امنوا ان کثیرا من الاحبار و الرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ** (۳۴ ر ۹) ان علماء و مشائخ میں سے جنہیں یہ خدائی درجہ دیتے ہیں' اکثر کی حالت یہ ہے کہ وہ جھوٹ اور فریب سے لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ اللہ کے راستے کی طرف نہ آنے پائیں کیونکہ اس سے ان کی پیشوائیت اور اقتدار ختم ہو جاتا ہے۔"

آپ نے غور فرمایا کہ قرآن کا یہ کس قدر عظیم انقلابی اعلان ہے "جن کے متعلق تم سمجھتے ہو کہ یہ اللہ تک لے جانے والے راستے میں تمہارے قائد ہیں' درحقیقت اس راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہیں۔ جب تک انہیں راستے سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ تم اللہ تک پہنچ ہی نہیں سکو گے۔" ہم نے کیا کیا؟ ہم نے اس اعلان کو پڑھ کر خوب سر ہلائے اور بس ہم نے اس انقلاب آفریں اعلان کو درخور اعتناء ہی نہ سمجھا۔ نتیجہ سامنے ہے۔ آج دنیا میں مسلمان جس جگہ بھی آباد ہیں' دوسری قوموں کے مقابلہ میں پستی اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیوں؟

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

(اقبال)

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے صدر اول میں مسلمان کچھ عرصہ تک اس اسلام پر کاربند رہے جو اللہ کی طرف سے عطا ہوا تھا' لیکن اس کے بعد انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور اپنی خود ساختہ روشوں پر کاربند ہو گئے۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ "نفاذ شریعت ایکٹ" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کی بنیاد اللہ کے ایک دین پر نہیں بلکہ "فرقوں والے اسلام" پر ہے لہٰذا یہ قانون امت میں وحدت فکر و عمل پیدا نہیں کر سکتا۔

سن رکھئے! ہمارا موجودہ اسلام' منزل من اللہ دین نہیں بلکہ انسانوں کا خود ساختہ مذہب ہے' اور مذہب کوئی بھی ہو اس میں زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ مذہبی پیشوائیت نے اسلام' جو ایک جیتے جاگتے متحرک اور کارروان انسانیت کو اس کی منزل مقصود کی طرف لے جانے کے نظام حیات کا نام ہے' کو چند بے جان عقائد اور بے روح رسومات کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ یاد رکھئے! جب تک مذہبی پیشوائیت کا وجود باقی ہے' اسلام ہمارے ہاں قدم نہیں رکھ سکے گا۔ (قرآن نے کہا ہے کہ ان کو راستے سے ہٹانے کے لئے "اے مسلمانو! تم ایمان لاؤ اللہ اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جسے اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا" (۱۳۶ ر ۴) یہ از سر نو ایمان لانا درحقیقت' فرقہ وارانہ زندگی کو خلاف اسلام قرار دے کر قرآنی نظام کے قیام (یعنی دین کی وحدت کے قیام) کی طرف پیش رفت کے لئے قدم اٹھانا ہے۔

یہ مرحلہ بڑا دشوار نظر آتا ہے لیکن اس کے سوا احیاء اسلام کی کوئی صورت نہیں ہو گی! اسلامی زندگی کے لئے "امت واحدہ" (جس میں کوئی فرقہ نہ ہو) بنیادی شرط ہے اور یہ صرف اسلامی (قرآنی) مملکت میں ممکن ہے۔ یاد رہے! یہ خطہ ارض ہم نے ایسی ہی مملکت قائم کرنے کے لئے حاصل کیا تھا جس میں " **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون** (۴۷ ر ۵؛ ۴۵ ر ۵؛ ۴۴ ر ۵) (اور دیکھیں ۴۸ ر ۵) کا دور دورہ ہو گا مذہبی فرقوں کا نہیں۔

کاش ہمارے سیاست دان قرآن حکیم کو خود قرآن سے سمجھیں (ملّا سے نہیں) تاکہ نظریۂ پاکستان کی تکمیل کی کوئی صورت تو نکلے۔

میرے ساقی نے عطا کی ہے مئے بے دُرد و صاف
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو، میرے پیمانے کا ہے!

قرآن کے دو لفظوں میں نظریہ پاکستان کا آغاز اور منتہا یہ ہے کہ

وانزلنا الیک الکتٰب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتٰب و مھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواء ھم عما جاء ک من الحق لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھاجا ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن لیبلوکم فی ما اٰتاکم فاستبقوا الخیرات الی اللہ مرجعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون ○ ۵:۴۸

اعزاز الدین احمد خاں

مذہبی فرقے

(ماخوذ از طلوعِ اسلام جنوری ۱۹۷۳ء)

فرقے مذہب میں ہوتے ہیں۔ دین میں مختلف فرقوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مذہب میں فقہیں الگ الگ ہوتی ہیں لیکن دین میں کوئی الگ فقہ نہیں ہوتی۔ اس میں مملکت کا ضابطۂ قوانین ہوتا ہے جس کا اطلاق ہر ایک پر یکساں ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص یا جماعت کوئی الگ قانون وضع یا اختیار کرتی ہے تو وہ متوازی حکومت قائم کرتی ہے جو بغاوت کے مترادف ہوتا ہے۔ اسے ارتداد کہا جاتا ہے یعنی حکومت سے سرکشی اختیار کرنا۔ قرآن کریم کی رُو سے اس کی سزا موت ہے (۵/۳۳) دین میں ایک امت ہوتی ہے۔ اس حکومت کا ایک ضابطۂ قوانین ہوتا ہے جس کی اطاعت ہر ایک پر لازم ہوتی ہے۔ اگر کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کے تصفیہ کیلئے حکومت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور اس کے فیصلے کے سامنے ہر ایک کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔

چونکہ مذہبی فرقے ایک مملکت کے اندر رہتے ہوئے شخصی قوانین کی حد تک ہی سہی۔ الگ الگ ضوابطِ قوانین کے پابند ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآنِ کریم اسے شرک قرار دیتا ہے (۳۰/۳۱) اور مرکزِ حکومتِ خداوندی یعنی رسول اللہؐ سے کہتا ہے کہ ایسا کرنے والوں سے تیرا کوئی واسطہ نہیں (۶/۱۶۰) پرسنل لاز اور پبلک لاز کی تفریق کا تصور یکسر خلافِ اسلام ہے۔ دین ایک ایسا نظامِ حیات ہے جس میں عقائد، عبادات، باہمی معاملات۔ امورِ مملکت۔ پرسنل اور پبلک لاز وغیرہ سب باہم گر پیوست بلکہ ایک دوسرے میں مدغم ہوتے ہیں۔ ان میں تفریق شرک ہے۔

شہریوں کی بیچارگی

ہم اس وقت ان خاردار جھاڑیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہتے جن میں سے ہر اس شہری کو گزرنا پڑتا ہے۔ جسے کسی سرکاری محکمہ سے کوئی واسطہ پڑے خواہ وہ حکومت کے خزانے میں روپیہ جمع کرانا ہی کیوں نہ ہو۔ ہم عمالِ حکومت کی ان بدعنوانیوں کا تذکرہ بھی نہیں چھیڑنا چاہتے جن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں قانون کا احترام اُٹھ رہا ہے۔ ہم ان بدمعاملگیوں کا رونا بھی نہیں رونا چاہتے جو ہمارے معاشرے کا عام چلن بن چکی ہیں۔ ہم اس مہنگائی کی شکایت کرنے بھی نہیں بیٹھے جس کی وجہ سے، اب ہر شریف، سفید پوش کو زندگی کے دن گزارنے دوبھر ہو رہے ہیں ــــ ہم اس وقت صرف ان دو تین مشکلات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کا کوئی حل کسی کی سمجھ میں نہیں آتا اور اسی لئے لوگوں کے دلوں پر مایوسی چھا رہی ہے۔ اگرچہ ان مشکلات کا سامنا سارے باشندوں کو کرنا پڑ رہا ہے لیکن جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں اس کی بنیاد لاہور کا تجربہ ہے۔

۱۔ پانی، زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ لیکن یہاں واٹر سپلائی کا یہ عالم ہے کہ بعض اوقات پہروں پانی نہیں آتا اور اگر آتا بھی ہے تو اتنا کم کہ دوسری منزل پر پہنچنا محال۔ لوگ مسلسل چیخ و پکار کرتے ہیں لیکن صدا بصحرا۔

سپلائی کا تو یہ حال ہے لیکن بلوں کی کیفیت یہ ہے کہ بغیر کسی حساب کتاب، اور مقدار و معیار کے سینکڑوں روپے کا بل صارف کو بھیج دیا جاتا ہے۔ بل پر یہ ہدایت لکھی ہوتی ہے کہ اگر آپ کو اس کے خلاف کوئی شکایت ہو تو آپ، پہلے بل کی ادائیگی کر دیں اور بعد میں اپنی شکایت فلاں افسر تک پہنچائیں۔ آپ بل کی ادائیگی کر کے اپنی شکایت متعلقہ افسر تک پہنچا دیتے ہیں لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوتا آپ یاد دہانیاں کراتے ہیں لیکن بے سود۔ اتنے میں اگلا بل آجاتا ہے اور اس پر بھی وہی ہدایت درج ہوتی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اگر آپ اس بل کی ادائیگی نہیں کرتے اور متعلقہ افسر کو لکھ بھیجتے ہیں کہ میری پہلی شکایت کا ازالہ نہیں کیا جاتا تو کم از کم اس کا جواب ہی دیجئے تو ادھر سے اس کا جواب تو موصول ہوتا نہیں البتہ

...تب آدھمکتے ہیں کہ میں کنکشن کاٹنے آیا ہوں، اب آپ کے لئے، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ آپ اس بل کی فوراً ادائیگی کر دیں ___ اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے۔

کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ان حالات میں، یہ شہری بے چارہ کیا کرے؟

۲۔ پانی کے بعد، زندگی کی دوسری ضرورت بجلی ہے۔ بجلی کی آنکھ مچولی تو اب ایسا معمول ہو چکی ہے کہ اس کے خلاف شکایت کا احساس ہی مٹتا جا رہا ہے لیکن مصیبت اس سے آگے چل کر آتی ہے۔ بجلی کی ناقص سپلائی کی وجہ سے، بجلی سے چلنے والا گھریلو سامان ___ ریفریجریٹر، ایئر کنڈیشنر، ٹیپ ریکارڈر، ریڈیو، ہیٹر، استری وغیرہ سب جل جاتے ہیں اور مرمت کرنے والے ایک ایک نقص دور کرنے کا معاوضہ سینکڑوں روپے طلب کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ سب سامان کباڑ بن کر رہ جاتا ہے۔ شہریوں کی طرف سے چیخ و پکار ہوتی ہے لیکن کوئی سنتا ہی نہیں۔

اور لطف یہ کہ اگر بجلی کا بل وقت پر ادا نہ کیا جائے تو کنکشن کٹ جاتا ہے اور آپ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ

دل کو روؤں یا پیٹوں جگر کو میں!

۳۔ جن گھروں میں ٹیلی فون ہیں وہاں یہ مذاق حد سے گزر چکا ہے ___ ٹیلیفون آئے دن خراب ___ "شکایت" کا ڈائل گھماتے رہیئے، کوئی جواب نہیں ملتا۔ اگر خوش قسمتی سے کہیں سے "لن ترانی" کی آواز آ جائے اور آپ حرف شکایت زبان تک لے آئیں تو وہ آہ نارسا بن کر رہ جاتی ہے۔ آپ جو جی میں آئے کر لیجئے۔ آپ کا ٹیلیفون ٹھیک نہیں ہوگا۔

اور اگر آپ اس کا بل وقت پر ادا نہیں کریں گے تو کنکشن کٹ جائے گا بلکہ اب تو یہ شکایت بھی عام ہونے لگی ہے کہ بل ادا ہو چکنے کے بعد بھی کنکشن کٹ جاتا ہے۔

۴۔ یہی کیفیت پراپرٹی ٹیکس اور کارپوریشن ہاؤس ٹیکس کی ہے۔ جتنا ان کا جی چاہے طلب کریں۔ نہ ان کے بل میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ ٹیکس کس حساب سے طلب کیا جا رہا ہے، نہ وہ یہ بتانے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں کہ امسال، سال گذشتہ کی نسبت دُگنا مطالبہ کیوں کیا جا رہا ہے۔ چٹھیاں لکھتے رہیئے تو کوئی شنوائی نہیں۔ ٹیکس ادا نہ کیجئے تو ان کا ڈنڈا آپ کے سر پر موجود ہے۔

شہری بیچارے پر یہ سب کچھ بیتتی ہے لیکن اس کا مداوا کہیں سے نہیں ہوتا۔ جب کبھی اسمبلی یا اخبارات میں شور کی آواز زیادہ بلند ہو جاتی ہے تو جواب ملتا ہے کہ پاور ہاؤس میں پانی ایسا آ تار ہا جس میں ریت ملی تھی اس لئے مشینیں خراب ہو گئیں۔ فلاں مقام پر کھمبے گر گئے اس لئے پاور سپلائی کے کنکشن منقطع ہو گئے۔ فلاں جگہ پائپ زنگ آلود ہو گئے اس لئے پانی میں کمی واقع ہو گئی۔ ٹیلیفون ایکسچینج کے کمروں میں گرمی

کی زیادتی کی وجہ سے بیٹری سیل خراب ہو گئے۔ یعنی ان خرابیوں کا ذمہ دار کوئی انسان یا انسانوں کا گروہ نہیں، مشینیں اور کھمبے ہیں، بیٹری کے سیل اور جنریٹر ہیں۔ ان محکموں میں جس قدر انسان ہیں، ان کا کام کنکشن کاٹنا ہے اور بس! ــــ کسی نے چارپائی بنوانی تھی۔ اس نے پوچھا کہ کیوں بھائی! اس گاؤں میں کوئی بُونا (چارپائی بُننے والا) بھی ہے؟ اس نے کہا کہ یہاں بونا تو کوئی نہیں۔ البتہ دو بھائی "اُدھیڑو" ضرور ہیں ــــ ہمارے ان محکموں میں بونا کوئی نہیں۔ سب "اُدھیڑو" بستے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں بے بس شہری کیا کریں! کرنے کا کام ایک ہی ہے ــــ لیکن قبل اس کے کہ یہ سوچا جائے کہ وہ کرنے کا کام کون سا ہے، پہلے یہ دیکھئے کہ اس وقت صورتحال کیا ہے؟ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ خرابیاں تو عام ہیں لیکن مشکل تنہا اس فرد کی سمجھی جاتی ہے جس پر وہ آن پڑتی ہے اور اسی کو انفرادی طور پر اس کے ازالہ کے لئے بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔ یوں سارا معاشرہ پریشانی میں مبتلا رہتا ہے لیکن ان پریشانیوں کے ازالہ کے لئے اجتماعی طور پر کچھ نہیں کیا جا رہا۔

کرنے کا کام یہ ہے کہ ہر شہر میں، چند ایسے، ٹھنڈے دل و دماغ کے لوگ، جو ان خرابیوں کی اصلاح کو اپنا مقصد قرار دے لیں، ایک سوسائٹی تشکیل کر لیں۔ ان میں کوئی سیاسی آدمی (POLITICIAN) نہ ہو۔ وہ سوسائٹی نہ تو سیاسیات میں حصہ لے اور نہ ہی ہنگامے برپا کرے۔ نہایت خاموشی سے، آئین و ضوابط کے مطابق، متعلقہ محکموں کے ذمہ دار حضرات کے اس طرح پیچھے پڑ جائے کہ جب تک وہ ان خرابیوں کا ازالہ نہ کر دیں ــــ یا کسی ایسے سبب کی اطمینان بخش نشاندہی نہ کر دیں، جس کا دور کرنا ان کے اختیار میں نہ ہو ــــ انہیں ان سے اپنا دامن چھڑانا مشکل ہو جائے۔ اس سلسلہ میں، سب سے پہلا کرنے کا کام یہ ہوگا کہ اس حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرایا جائے کہ ان کا اور صارفین کا تعلق "حاکم اور رعایا" کا نہیں، دکاندار اور خریدار کا ہے آپ شہریوں کے ہاتھوں ایک جنس بیچتے ہیں اور اس کی قیمت لیتے ہیں۔ اگر وہ جنس ناقص ہے تو آپ کو اس کی قیمت لینے کا کوئی حق حاصل نہیں، بلکہ ناقص سپلائی سے صارفین کا جو نقصان ہوا ہے اس کا ہرجانہ ادا کرنے کے بھی آپ ذمہ دار ہیں۔ اس سلسلہ میں اگر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے تو اس میں بھی تامل نہ کیا جائے۔

کیا لاہور میں کوئی اللہ کا بندہ اس مقصد کو لے کر اٹھنے کے لئے تیار ہے؟ اگر کوئی تیار نہیں تو پھر اس قوم کے لئے رونا ابدی طور پر مقدر ہو چکا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرویز کی مخالفت اور اس کے اسباب

"غلام احمد پرویز ہمارے دور کی ان دینی اور علمی شخصیتوں میں سے ہیں جن کے افکار سے اتفاق کرنے والے بھی بہت ہیں اور مخالفت کرنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ ان کے متعلق متضاد باتیں کہی اور سنی جاتی ہیں۔

"پرویز منکر حدیث ہے' مقام رسالت سے ناواقف ہے"۔

"پرویز اسلام کے پردے میں کمیونسٹ ہے"۔

"پرویز نے اسلام کی صداقتوں کو علمی انداز میں پیش کیا ہے"۔

"پرویز اسلام کی عظمت کا مبلغ ہے"۔

یہ باتیں کتنی مختلف اور متضاد ہیں۔ کچھ لوگ تو ایمانداری کے ساتھ ان میں سے کوئی ایک بات مانتے اور کہتے ہیں لیکن عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ ایسے خیالات سنی سنائی باتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس کے اسباب کئی ہیں جن میں سے سب سے نمایاں یہ سبب ہے کہ مسلمان کتنے ہی فرقوں میں بٹ گیا ہے۔ ہم جس فرقہ میں پیدا ہوتے ہیں اسی کے اکابر کو مانتے ہیں اور دوسروں کو برا یا ادنیٰ جانتے ہیں اور جو شخص فرقہ سازی کا سرے سے مخالف ہو اور اپنے آپ کو صرف مسلمان کہنا کافی سمجھتا ہو اس کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کو کسی فرقہ کی ہمدردی حاصل نہیں ہوتی۔

جناب پرویز کے سلسلہ میں کچھ اور اسباب بھی جمع ہو گئے ہیں ------ ہمارے نزدیک وہ سبب یہ ہیں۔

۱--- غلام احمد پرویز کی کتابیں بہت ضخیم بھی ہیں اور مہنگی بھی۔ فی زمانہ نہ ہر شخص کے پاس وقت ہے اور نہ اتنا روپیہ کہ وہ ان کی ہر تصنیف کا مطالعہ کر سکے۔ چونکہ ان کی بزم طلوع اسلام کبھی سیاسی تحریک نہیں رہی اسی لئے دوسری دینی اور اسلامی جماعتوں کی طرح اس نے کتابچوں اور سستے لٹریچر کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔

۲ ---- پرویز صاحب کا انداز تحریر مشکل اور عالمانہ ہے۔ علمی اور فنی اصطلاحوں کی ان کی عالمانہ

کتابوں میں کمی نہیں۔ ان کے عالمانہ انداز اور علمی اصطلاحوں نے انہیں عام لوگوں کی رسائی سے دور کر دیا ہے۔

--- مختلف فرقے اور جماعتیں جو ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں وہ سب پرویز صاحب کی مخالفت کے مسئلہ پر متفق ہو جاتی ہیں کیونکہ طلوع اسلام کی دعوت کا اثر ان کے مفادات پر پڑتا ہے۔ صوفی' وہابی' اہل حدیث' اہل قرآن' شیعہ حضرات اور سابق جماعت اسلامی کے اراکین یہ سب اس دعوت کے خلاف اتحادیوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ بڑے بڑے سرمایہ دار اور زمیندار جو نظام ربوبیت اور اسلام کے انقلابی معاشی پروگرام سے حد درجہ خائف ہیں' وہ بھی پرویز کے مخالفوں میں ہیں۔

۴ --- مخالفت کا جو سبب ہمارے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ پرویز صاحب نے چند جزوی اور نسبتاً" غیر اہم مسائل میں جمہور کے صدیوں پرانے عقائد و رسوم کی مخالفت کرکے سب کی مخالفت مول لے لی مثلاً قربانی کے متعلق ان کے خیالات نے ان کی مخالفت کو بہت عام کر دیا ہے۔

--- اس اعتبار سے پرویز صاحب کی ذات' سرسید احمد خان سے بڑی مماثلت رکھتی ہے۔ سرسید نے کسی وقتی مصالحت کی خاطر حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا۔ جب سرسید نے شیطان کے خارجی وجود سے انکار کیا تو محسن الملک نے ان کی مخالفت کی۔ اس مخالفت میں یقیناً علی گڑھ تحریک کے مفاد کی حفاظت کا خیال بھی شامل تھا۔ محسن الملک نے لکھا کہ ایک شخص شیطان کو اپنے وجود میں شامل سمجھ کر اس سے بچتا ہے اور دوسرا شخص اسے خارجی وجود سمجھ کر اس سے گریز کرتا ہے۔ قرآن کا مقصد دونوں صورتوں میں پورا ہو جاتا ہے اس لئے یہ بحث غیر ضروری اور مضر ہے مگر یہ امر ان (سرسید) کی طبیعت ہی کے خلاف تھا کہ وہ ایک بات کو سچ سمجھتے اور اس پر زور نہ نہ دیتے۔

پرویز خوش قسمت ہیں کہ انہیں سرسید احمد خان کی طرح تکفیر کے فتوؤں کا سامنا نہ کرنا پڑا اور بات محض گمراہی و ضلالت" پر ختم ہو گئی۔ اس کا سبب زمانے کی تبدیلی ہے ورنہ "ملائے کافرگر" میں شاید ہی تبدیلی پیدا ہوئی ہو۔ اس ضمن میں اس بات کا اضافہ بھی کیجئے کہ معارف القرآن کی مختلف جلدوں میں پرویز صاحب نے جن قرآنی حقائق کو پیش کیا ہے اور جن کی بناء پر ان کی شدید مخالفت ہوتی وہ ان کے بانی نہیں بلکہ ان خیالات کا اظہار اسلام کے بہترین علماء اور مفکر ہر دور میں کرتے رہے ہیں۔ مثلاً معراج اور شق صدر کو تمثیل ماننا' ایسی تمثیلیں جو مقام محمدیؐ کی منزلت و عظمت کو پیش کرتی ہیں' ابلیس اور ملایکہ کا

ـشی وجود تسلیم نہ کرنا' قصہ آدم کو تخلیق کائنات کی سرگزشت اور انسان کے ارتقاء کی دستاویزی کہانی قرار دینا' حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہ یقین کہ وہ بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے اور قرآن کی کسی آیت کو منسوخ نہ مانتا ...... یہ تمام خیالات ہمیں حجتہ الاسلام امام غزالی' امام رازی' امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ کے یہاں مل جاتے ہیں۔

چند خیالات ایسے ہیں جن کا سراغ صرف برصغیر کے دینی مفکروں کے یہاں ملتا ہے مثلاً جن واجنہ سے صحرائی لوگ مراد لینا۔

اس مختصر جائزہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ پرویز کے بہت سے بنیادی افکار و تصورات بزرگان اسلام کے یہاں بھی ملتے ہیں مگر پھر بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف پرویز کی مخالفت کیوں ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو صداقتیں بکھری ہوئی تھیں اور جنہیں اکابر اسلام ہی جانتے تھے' انہیں پرویز نے یکجا کیا اور عہد حاضر کی علمی زبان میں یوں پیش کیا کہ نیا شعور رکھنے والے افراد متوجہ ہو گئے۔ اس کے علاوہ قرآن کی بہت سی صداقتیں زیادہ وضاحت کے ساتھ عہد حاضر کی علمی ترقی کے ساتھ نظر کے سامنے آئی ہیں' انہیں بھی پرویز نے پیش کیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ پرویز نے کہیں بزرگوں کے حوالے التزام کے ساتھ پیش نہیں کئے' اس کی وجہ بنیادی ہے اور وہ یہ کہ کوئی بات اس لئے درست نہیں کہ فلاں فلاں بزرگ کہہ گئے ہیں بلکہ اس لئے ہمارے ایمان کا جزو ہے کہ یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔ ورنہ بزرگوں کے اقوال کی بیساکھی کے ذریعہ مقبولیت حاصل کرنا زیادہ مشکل نہ تھا۔

۵ ــــ جناب پرویز کی مخالفت کا ایک اور سبب یہ ہے کہ انہوں نے غیر ضروری موشگافیوں سے اسلامی افکار و تصورات کو آزادی دلا کر انہیں عام سوچنے سمجھنے والے مسلمانوں کی ملکیت بنا دیا۔ ورنہ ہمارے یہاں حالت تو یہ ہے کہ بقول مولانا حالی صرف غسل جنابت پر کم سے کم دس ہزار صفحات ہمارے فقہانے لکھے ہیں جن کے پڑھنے میں ساری عمر گزر جائے۔

"علم حدیث" اس قسم کی موشگافیوں اور نکتہ سنجیوں کی بہترین مثال ہے۔ ہمارے مورخین نے راویوں کے حالات جمع کئے جسے "علم الرجال" کہتے ہیں۔ پھر روایت کے سلسلے جوڑے گئے ہمارے محدثین نے کتب حدیث کو اعتبار و عدم اعتبار کے لحاظ سے کئی حصوں میں تقسیم کیا۔ مثلاً "صحت" "شہرت" اور "قبول" کے معیار یا پھر وضعی احادیث کو پرکھنے اور جانچنے کی صورتیں۔ مثلاً حضرت شاہ عبدالعزیز محدث

دہلوی نے وضعی یا جعلی احادیث کی جو پہچانیں بتائی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱--- حدیث تاریخی واقعہ کے خلاف ہو

۲--- حدیث میں ایسی بات بیان کی گئی ہو جس کا جاننا اور کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہو مگر روایت ایک ہی شخص کرتا ہو۔

۳--- عقل اور قواعد شرع کے خلاف ہو۔

۴--- الفاظ خلاف محاورہ اور مضمون نامعقول ہو۔

۵--- چھوٹے گناہ کے لئے نہایت سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہو اور چھوٹی سی نیکی پر بہت زیادہ اجر و ثواب کی بشارت دی گئی ہو۔

۶--- حدیث صرف کسی دشمن نے بیان کی ہو۔

یہ حدیث کی پرکھ کی چند شرطیں ہیں۔ اسی طرح احادیث کی کتنی ہی قسمیں ہیں مثلاً حدیث بامعنیٰ، حدیث مقطوع، حدیث مرفوع، حدیث معلق، حدیث منقطع، حدیث مدرج، حدیث مضطر، حدیث مدلس وغیرہ۔

پرویز صاحب نے ان تمام موشگافیوں اور علمی نمائش کی جگہ ایک حتمی اور یقینی معیار پیش کر دیا وہ یہ کہ جو حدیث قرآن کے احکام و تعلیمات کے خلاف ہو، وہ غلط ہے۔ یوں تمام موشگافیوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ یہ معیار کوئی نئی بات یا اختراع پردازی نہیں ہے، بلکہ اس کا سلسلہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق سے ملتا ہے۔ "حضرت عائشہ نے حدیث سماع موتی کی حدیث نبوی ہونے سے بہ سبب مخالفت قرآن کے انکار کیا باوجودیکہ صحابی اس کے راوی تھے اور نہایت قلیل زمانہ عہد برکت عہد رسول مقبول صلعم سے گزرا تھا۔

(اقتباس از غلام احمد پرویز۔ بنیادی افکار و تصورات کا تعارف" از پروفیسر حسنین کاظمی شائع کردہ ادارہ نشان راہ ۲۴۰ گارڈن ایسٹ کراچی)

قوم کے منتخب نمائندوں (ارکانِ پارلیمنٹ) کا احسانِ عظیم

انہوں نے قوم کا اللہ اور اس کے رسولؐ سے ہر رشتہ منقطع کر دیا ہے! محمد عمر دراز

بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمتہ نے تحریکِ حصول پاکستان کے دوران اُس اسلامی مملکت کے تصوّر کا امتیاز بیان کرتے ہوئے، جس کے حصول کے لئے وہ کوشاں تھے، فرمایا تھا کہ:۔

"اسلامی حکومت کے تصوّر کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ اِس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے، جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً، نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں، ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعیّن کرتے ہیں۔

اسلامی حکومت، دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے"۔

(عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے طلباء سے انٹرویو ۱۹۴۱ء۔ بحوالہ روزنامہ انقلاب۔ مورخہ ۸ فروری ۱۹۴۲ء)

حضرت قائدِ اعظمؒ کا یہ بیان، دراصل اللہ کے اُن ارشادات کے اتّباع میں تھا، جن میں کہا گیا ہے کہ:

و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون ۵/۴۴ "جو لوگ اللہ کی طرف سے نازل کردہ (ضابطۂ زندگی) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، تو یہی لوگ کافر ہیں۔"

و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون ۵/۴۵

جو لوگ اللہ کی طرف سے نازل کردہ (ضابطۂ زندگی) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، تو یہی ہیں وہ لوگ جو کسی چیز کو بھی اس کے صحیح مقام پر نہیں رکھتے (ظالمون ہیں)۔

و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون ۵/۴۷

جو لوگ اللہ کی طرف سے نازل کردہ (ضابطۂ زندگی) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، تو یہی ہیں وہ لوگ جو اپنے لئے مقرر کردہ قالب (Pattern) سے باہر نکل جاتے ہیں (فاسق ہیں)۔

اللہ ہی نے یہ کہہ کر اس حقیقت کا تعیّن کر دیا کہ **ما انزل اللہ** کیا ہے کہ:۔

نزل علیک الکتٰب بالحق مصدقا لما بین یدیہ ۳/۳

"اس نے اے رسول! آپ کی طرف ایک ایسی کتاب نازل کی ہے' جو سرتاپا حق ہے اور جو اُن تمام دعاوی کو سچ کر دکھانے والی ہے' جو اِس سے پہلے خدا کی طرف سے آچکے ہیں۔"

جس رسولِ اعظمؐ کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی گئی' اس نے اللہ کی شہادت کے ساتھ صاف صاف فرمادیا کہ:-

قل ای شیء اکبر شہادۃ قل اللہ شہید بینی و بینکم و اُوحی الی ھٰذا القراٰن لانذرکم بہ و من بلغ o (۶/۱۹)

اے رسول! اِن سے کہہ دیجئے کہ سب سے بڑی شہادت (گواہی) کس کی تسلیم کی جاسکتی ہے؟

"اِن سے کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور مجھ پر یہ قرآن وحی کیا جاتا ہے تاکہ تمہیں اور جن تک یہ بعد میں پہنچے' ان سب کو غلط روشِ زندگی کے نتائج سے آگاہ کر دیا۔"

اور ساتھ ہی اُس نے یہ بھی فرمادیا کہ میری سُنّت (کبھی نہ بدلنے والا طریق) کیا ہے:-

ان اتبع الا ما یوحیٰ الی o (۴۶/۹)

"میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں (اُس کے پیچھے چلتا ہوں) جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔"

اس الکتاب (قرآنِ حکیم) کا اتّباع کس طرح کیا جائے گا' اس کے متعلق اصولی طور پر فرمایا کہ:

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون o (۳۰/۳۰)

"تم تمام غلط راہوں سے مُنہ موڑ کر اپنی تمام توجہات کو اس نظامِ زندگی پر مرکوز کردو جو خُدا کے تخلیقی قانون کا تقاضا ہے اور جس قانون کے مطابق اس نے خود انسان کو پیدا کیا ہے۔ خُدا کا یہ قانونِ تخلیق غیر متبدّل ہے (اس لئے یہ نظامِ زندگی' جو انسانی معاشرہ کے لئے دیا گیا ہے' اسی طرح غیر متبدّل ہے)۔ یہی وہ نظامِ زندگی ہے جو نہایت محکم اور تمام نوعِ انسان میں توازن قائم کرنے کا موجب ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔"

یہ نظامِ زندگی کیا ہے' اس کی تشریح یُوں فرمادی کہ:-

مُنیبین الیہ و اتقوہ و اقیموا الصلوٰۃ و لا تکونوا من المشرکین o ۳۱/۳۰

"سفرِ زندگی میں تمہارا ہر قدم اُس منزل کی طرف اُٹھے جو خُدا نے تمہارے لئے تجویز کی ہے۔ تم اس کی پوری پوری نگہداشت کرو۔ اس کے لئے نظامِ صلاۃ قائم کرو' جس میں ہر فرد بطیبِ خاطر قوانینِ خُداوندی کا اتّباع کرتا چلا جاتا ہے۔ اس اتّباع اور اطاعت میں مشرکین میں سے نہ ہو جانا (یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جو اس اتّباع اور اطاعت میں دوسروں کے قانون اور فیصلوں کو شامل کر لیتے ہیں)۔"

یعنی اُن لوگوں میں سے نہ ہو جانا:-

الذین فرقوا دینهم و کانوا شیعاً کل حزب بمالدیهم فرحونo(۳۰/۳۲)

"جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا (ٹکڑے ٹکڑے کر دیا) اور اس طرح اُمّتِ واحدہ رہنے کی بجائے مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے ہر فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم حق و صداقت کی راہ پر چل رہے ہیں 'اس لئے وہ اپنے آپ میں مگن ہو جاتا ہے۔"

ساتھ ہی ساتھ اللہ نے یہ بھی بتا دیا کہ یہ اِتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا:-

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بهo(۴/۴۸)

"اللہ اس بات کو کبھی معاف نہیں کرتا کہ اس کے احکام کی اتّباع اور اطاعت میں کسی اَور کو شریک کیا جائے۔"

اُس نے بتایا کہ شرک کے مرتکب ہونے سے کیا ہو گا جس کی بِنا پر اللہ اسے کبھی معاف نہ کرنے کا اِنذار دے رہا ہے۔ فرمایا کہ:-

و من یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفه الطیر او تهوی به الریح فی مکان سحیقo(۲۲/۳۱)

"جو شخص اللہ کے قوانین کے علاوہ کسی اور کے احکام کی اطاعت کرتا ہے یعنی اللہ کے ساتھ [illegible] ٹھہراتا ہے (وہ شرفِ انسانیت سے گر جاتا ہے) اُس کی مثال یوں سمجھو گویا وہ آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں [illegible] اور ایسا بے کس و بے بس اور بے یارومددگار رہ گیا کہ (جیسے چڑیا کا بچہ گھونسلے سے نیچے زمین پر آگرے تو) اسے چیل جھپٹ کر لے جائے اور ایسا کمزور و ناتواں ہو جائے کہ ہوا کا تیز جھونکا اسے (پَرِکاہ کی طرح) اُڑائے اُڑائے پھرے اور کسی دور دراز گوشے میں پھینک دے۔"

اگر تم نے ایسا کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم نے 'اپنے قوانین کی اطاعت کے بدلے میں جس جنّتی زندگی کا تم سے وعدہ کیا ہے (۷/۴۳)' ہم تمہیں اس سے محروم کر دیں گے۔ اِرشاد ہے کہ:-

انه من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیه الجنّة و ماواه النار و ماللظلمین من انصارo(۵/۷۲)

"بلاشبہ جو شخص بھی اللہ کے قوانین کے ساتھ کسی اور کے احکام کی اطاعت کرے گا' اس پر اللہ 'جنّت کو حرام کر دے گا اور ایسے ظالمین (وہ لوگ جو کسی چیز کو بھی اس کے صحیح مقام پر نہیں رکھتے) کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔"

ایسا کرنے والوں کے متعلّق یہ بھی فرما دیا (یعنی اُن لوگوں کے متعلّق جو اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر لیں اور الگ الگ فرقوں میں بٹ جائیں) کہ اُن کا اللہ کے رسولؐ سے کوئی تعلّق نہیں رہے گا۔ اِرشاد ہے:-

ان الذین فرقوا دینهم و کانوا شیعاً لست منهم فی شیءo(۶/۱۵۹)

"جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر لیں اور الگ الگ فرقے بن جائیں تو' اے رسول: آپ کا اُن سے کوئی واسطہ

نہیں۔"

اِس طرح 'دین میں تفرقہ پیدا کر کے 'الگ الگ فرقے بن جانے والوں سے اللہ کا رشتہ ٹوٹ گیا (اُس کی موعودہ جنّت سے محرومی) اور اِس کے ساتھ ہی اللہ کے رسولؐ سے بھی ان کا رشتہ منقطع ہو گیا۔ یہ تھے اللہ کے احکامات 'اُمّتِ واحدہ بننے کی بجائے فرقوں میں بٹ جانے کے شرک کے متعلّق!

اب آپ قوم کے اُن منتخب نمائندوں کے اِس کارنامہ کو ملاحظہ فرمایئے جنہیں قوم نے اس لئے منتخب کر کے ایوان ہائے پارلیمنٹ میں بھیجا تھا کہ وہ اس کے لئے ایسے قوانین بنائیں جن سے اللہ کے احکام پر عمل درآمد ممکن ہو سکے اور اس طرح افرادِ قوم کو وہ جنّتی زندگی میسّر آ سکے' جسے اللہ نے اپنے قوانین کے اتّباع کا لازمی ثمر قرار دیا ہے (۴۳/۷۲)۔

ہمارے منتخب نمائندوں نے جو شریعت بِل پاس کیا ہے 'اُس کے مندرجات کی باقی شقوں سے قطع نظر کرتے ہوئے 'ہم اِس وقت صرف اِس کی شق نمبر ۲ اور نمبر ۳ (بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور ۱۹ مئی ۱۹۹۱ء) کے متعلّق بات کرتے ہیں۔ اِن شقوں میں کہا گیا ہے۔

(۳) "شریعت کی بالادستی۔ شریعت یعنی اسلام کے احکامات جو قرآن و سُنّت میں بیان کئے گئے ہیں' پاکستان کا بالادست قانون (سپریم لاء) ہونگے بشرطیکہ سیاسی نظام اور حکومتی شکل متأثرہ نہ ہو۔"

اس سے پہلے شق نمبر ۲ میں کہا گیا ہے کہ:۔

(۲) تعریف۔ اس ایکٹ میں شریعت کا مطلب قرآن و سُنّت کے مطابق بیان کردہ اسلامی احکامات ہیں۔

وضاحت (۱)۔ شریعت کی تشریح و توضیح کرتے وقت قرآن و سُنّت کی تشریح و توضیح کے مُسلّمہ اصولوں کی پیروی کی جائے گی اور اسلام کے مُسلّمہ فقہاء کی تشریح اور آراء پر عمل کیا جائے گا۔ موجودہ اسلامی مکاتبِ فقہ کی آراء پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔

وضاحت (۲)۔ جیسا کہ آئین کے آرٹیکل ۲۲۷ میں بیان کیا گیا ہے' مسلمانوں کے کسی بھی پرسنل لاز کے حوالہ سے تشریح کرتے وقت قرآن و سُنّت کی اُس فرقہ کی تشریح ہو گی۔

یعنی اس ایکٹ کی رُو سے 'مسلمانوں کی اُس فرقوں میں تقسیم کو جسے اللہ نے شرک قرار دیتے ہوئے ایسے لوگوں سے اپنی اور اپنے رسولؐ کی لاتعلّقی کا اعلان کیا تھا' جائز تسلیم کیا گیا ہے اور قرآن و سنّت کو جسے مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے والی آخری اتھارٹی ہونا چاہئے تھا' اِن فرقوں کے فقہاء (یعنی انسانوں کے ایک گروہ کی تشریح و توضیح کے تابع کر دیا گیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ الگ الگ فرقوں میں بٹ جانے والوں کے جس جُرم کو اللہ نے شرک قرار دیتے ہوئے' اللہ نے اپنے رسول کے عدم تعلّق کا اعلان کر دیا اور ان پر اپنی جنّت حرام کر دی' ان فرقوں اور ان کے الگ الگ مسالک کو ہمارے منتخب نمائندوں نے شریعت ایکٹ کے ذریعے ہم پر مسلّط کر دیا ہے۔ یعنی قوم کو شرک کے اِس جُرم کے ارتکاب کا پابند کر دیا ہے جس سے مسلمانوں کا اُن کے اللہ اور رسولؐ سے ہر رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔

یہ ہے ہمارے منتخب نمائندوں کا وُہ کارنامہ جس پر اس ایکٹ کو پاس کرنے والے اراکین اسمبلی اور جناب وزیر اعظم قوم کو جنّتی معاشرے کی بشارتیں دے رہے ہیں۔ اللہ نے تو اِس جُرم کے ارتکاب کے سزا کے طور پر اپنی جنت ان مرتکبین پر حرام کرنے کی وارننگ دی' لیکن نہ جانے ہمارے یہ کرم فرما ہمیں کس جنّت کی بشارت دے رہے ہیں۔ کیا یہ جنّت اللہ کی اس زمین اور اس کی بادشاہت کے حدود سے کہیں باہر ہوگی؟

اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس کی حکومت و بادشاہت کی حدود ایسی وسیع ہیں کہ اُس کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اِس فعل کی سزا بھگتنے سے بچنے کے لئے کسی اور کی حکومت کے دائرہ عمل میں چلے جائیں (۱۳۔ ۱۲/۲۱)

جو کچھ ہمارے [illegible] نے کیا ہے' اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر اللہ اور اس کے رسولؐ سے ہمارا ہر رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور اللہ کی اس سرزمین پر ہمارے لئے محرومیاں ہی محرومیاں ہیں۔ اور یہی ہمارا مقدّر ہونا بھی چاہئیے کہ ہم مجرم ہیں ایسے نمائندوں کو اپنے ایوان ہائے قانون ساز کے اراکین منتخب کرنے کے۔ اِن اعمال کے ساتھ تو ہم اللہ سے اس کی حفاظت کے طلبگار بھی نہیں ہو سکتے۔ اب تو ہمیں ان موعودہ نتائج کو بھگتنا ہی پڑے گا۔

اللہ کے عذاب سے محفوظ رہنے اور اس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کا واحد طریق یہ ہے کہ ہم اپنی اجتماعی زندگی میں اُس کتابِ عظیم کو فیصلہ کرنے کی آخری اتھارٹی تسلیم کریں جس کے نزول کا مقصد ہی اللہ نے یہ بتایا ہے کہ:۔

و ماانزلناعلیک الکتٰب الالتبین لھم الذی اختلفوافیہ و ھدًی و رحمۃ لقوم یومنون o (۶۴/۱۶)

"ہم نے آپ کی طرف' اے رسول! یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں' آپ اِنہیں نمایاں کر کے دکھا دیں (تاکہ باہمی اختلافات مٹنے کے بعد' نوع انسانی 'اُمّتِ واحدہ بن سکے۔ ۲/۱۲۳) لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس ضابطہ سے وہی لوگ رہنمائی حاصل کر سکیں گے اور یہ اُنہی کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچا سکتا ہے جو اس کی صداقت پر یقین رکھیں"

اللہ نے فرمایا ہے کہ کامیابی و کامرانی اُنہی کا حصّہ ہے جو:۔

فاالذین اسنوا بہٖ وعزّروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی اُنزل معہٗ اولٰئک ھم المفلحون ○ع (۷/۱۵۷)

"وہ لوگ جو اس (آخری رسول ؐ) پر ایمان لائیں اور اسکے پیش کردہ نظام کے قیام میں اس کی مدد کریں اور اس مقصد کے لئے اُس روشنی کو چراغِ راہ بنائیں جسے اِس رسول ؐ کی طرف نازل کیا گیا ہے تو یہی لوگ ہوں گے جنہیں (قدم قدم پر) کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل ہوں گی۔

لہٰذا کامیابیوں اور کامرانیوں کی راہ ہے اس آخری رسول ؐ پر ایمان اور اُس نُورِ مُبین (قرآنِ کریم) کا اتّباع جسے اس رسول ؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ نہ کہ اس قرآن کو اپنے خودساختہ فرقوں اور ان کے فقہاء وائمہ کی تشریح و تعبیر کے ذریعہ مہجور کر دینا۔ (۲۵/۳۰)

پہلا راستہ اللہ کے ارشاد کے مطابق کامیابیوں اور کامرانیوں کا راستہ ہے اور دوسرا اُسی کے فرمان کے مطابق محرومیوں اور بربادیوں کا۔

پس ہے کوئی جو اِس قوم کو اُس راستہ پر چلادے جسے اِس کے اللہ نے اِس کے لئے متعین کیا ہے؟

وماعلینا الاالبلٰغ المبین

زرِ شرکت

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

اندرونِ ملک

- فی پرچہ ـــــــ ۱۰/ روپے
- سالانہ ـــــــ ۱۲۰/ روپے

بیرونِ ملک

- فی پرچہ ـــــــ ۱½/ امریکی ڈالر
- سالانہ ـــــــ ۱۸/ " "

کاروباری کمیشن برائے دکانداران ـــــــ ۳۳ فیصد

پرچہ ہر ماہ ۳ تاریخ تک سپردِ ڈاک کر دیا جاتا ہے ۱۵ تاریخ تک پرچہ موصول نہ ہونے کی اطلاع ملنے پر پرچہ سٹاک میں موجود ہو تو دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔

بابا جیؒ کی یاد میں

ثریا عندلیب

ہم آپ قرآنی بہن بھائی جانتے ہیں کہ جولائی کا مہینہ ہمارے بابا جی جناب پرویز صاحب مرحوم و مغفور کی پیدائش کا مہینہ ہے۔ جن کو ربِّ کریم نے ایک نابغۂ روزگار مفکرِ قرآن ہونے کا شرف بخشا ہے۔ ۹ جولائی ان کی تاریخ پیدائش ہماری اُن یادوں کا ایک انمٹ حصّہ ہے جو اس شفیق و خلیق ہستی سے وابستہ ہیں۔ وہ منفرد معلّمِ قرآن جس نے ہم مُشتاقانِ حق کو حقیقی معنوں میں قرآن کے سیدھے راستے پر چلنے کی تعلیم دی۔ جو عمر بھر قرآنی حقیقتوں کو قرآن ہی کی ابدی روشنی میں دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کرتے رہے۔ جنہوں نے خود طالب علمِ قرآن ہونے کی حیثیت میں حکم خداوندی **تتفکروا** کے مطابق غور و تدبّر کا دامن ہر قدم پر پکڑے رکھا۔ جو بندۂ حق ہونے کا حق ادا کرنے کی ہر سانس میں سعی کرتے رہے۔ جس طرح اس اُستادِ محترم نے ہمارے خفتہ شعور کو بیدار کر کے فہم و فکرِ قرآنی کی راہ پر لگایا' کیا ان کے دورِ حیات کے وہ سالہا سال جن میں وہ ہم سب کو درسِ قرآنی دیتے رہے' اس کے گواہ نہیں؟ اور جو خزینۂ علم و دانش اور حقائق و معارفِ قرآنی کا اس مفکّر نے ہمارے لئے' اُمّتِ مُسلمہ کے لئے' پوری دُنیائے انسانیت کے لئے چھوڑا ہے' کیا ہم اس سے آگاہ نہیں؟ یوں اس مفکّرِ قرآن کے حُسنِ تفکّر کا فیضان نہ صرف کتابی شکل میں بلکہ خود اسکی اپنی محفوظ آواز میں آج بھی جاری و ساری ہے۔ اس طرح اس عاشقِ قرآن کا وجود ہماری نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود ہمیں اس کی رہنمائی کا ملتے رہنا ہمارے حق میں وہ رحمتِ خداوندی ہے جس کا بدل ہو نہیں سکتا۔ جب بابا جیؒ حیات تھے تو کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ بابا جی درس دے رہے ہوں اور دل نے یہ نہ چاہا ہو کہ درس کا یہ وقت ختم نہ ہو اور ہم یُونہی قرآنی موتیوں سے اپنی جھولیاں بھرتے چلے جائیں۔ یہ حقیقت ہم سامعینِ درس سے چھُپی نہیں کہ یہ درس اس مُعلّمِ مشفق کے بیان کردہ برمحل اشعار' بامعنی لطائف اور بصیرت افروز حقائق سے کس طرح پھولوں کی مانند شگفتہ اور تر و تازہ ہؤا کرتے تھے (اور ہیں) علاوہ ازیں اس محترم ہستی کی مدّت العمر کی کاوشوں کا ماحصل یہاں سے وہاں تک آسمانِ دین و حکمت پر ستاروں کی طرح چمک رہا ہے۔ جناب پرویز علیہ الرحمتہ کی بیسیوں ضخیم تصانیف۔ ہزاروں صفحاتِ طلوعِ اسلام۔ سینکڑوں خطابات و تقاریر۔ قرآن کے تابندہ و پائندہ راستے میں ہماری رہبری کے لئے موجود ہیں۔ ہم میں سے کون نہیں جانتا کہ پیرانہ سالی کے باوجود اس جویائے صراطِ مستقیم نے فکرِ قرآنی کی راہ کی رکاوٹیں دُور کرنے کے لئے اپنی جواں ہمتی' جگر سوزی اور نفس گدازی میں کبھی شمّہ بھر کمی نہیں آنے دی۔

ماہِ جولائی کے حوالے سے قارئینِ طلوعِ اسلام کو یاد دلاتی ہوں کہ جولائی ۷۸ء کے طلوعِ اسلام میں ہمارے بابا جیؒ نے اپنی عمرِ عزیز کے ۷۵ سال پورے ہونے پر "ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا" کے عنوان سے اپنے تأثرات قلمبند کئے تھے اس تحریرِ دلپذیر کا ایک اقتباس پیش کرتی ہوں جو انکی پُرعزم اور ثابت قدم شخصیت کا حقیقی آئینہ دار ہے۔ آپ نے لکھا تھا "یہ کچھ میں نے کیسے کر لیا۔ سچ پوچھئے تو منطقی توجیہات سے اس کا کوئی اطمینان بخش جواب میں خود بھی نہیں دے سکتا۔ میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ کوئی بے صوت ان دیکھی صدا مجھے بلاتی گئی اور میں این و آں سے بے گانہ 'والہانہ طور پر اس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس میں تھکنا تو ایک طرف میں کبھی سستانے کے لئے بھی نہیں رکا۔ بجز ان لمحات کے جن میں میں (علالت وغیرہ کی وجہ سے) بالکل معذور ہی نہ ہو گیا ہوں میں نے اپنے اوقات کا ایک ایک لمحہ اس کے لئے وقف رکھا۔ اس آواز میں کوئی ایسا سحر تھا کہ میں رُک سکتا نہیں تھا۔ یہ آواز خدا کی کتابِ عظیم 'قرآنِ کریم کی تھی 'جس کے ساتھ میرا قلبی لگاؤ عشق کی حد تک پہنچ چکا اس میں کوئی عنصر فوق الفطرت نہیں تھا۔ نہ ہی مجھے اس کا کوئی دعویٰ ہے۔ میں نے اس تذکرہ کو اس لئے ضروری سمجھا ہے کہ جو متجسّس قلوب میرے اس حاصلِ کشت کو حیرت کی نگاہوں سے دیکھیں 'ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اس میں کوئی بات غیر معمولی یا فوق البشر عنصر نہیں۔ انسان کے اندر اتنی بے پناہ صلاحیتیں مضمر ہیں جن کا اسے خود بھی علم و احساس نہیں ہوتا۔ اگر کسی مقصد کے ساتھ عشق کی حد تک لگاؤ پیدا ہو جائے تو یہ صلاحیتیں خود بخود کارفرما ہوتی چلی جاتی ہیں اور ان کا سلسلہ لامتناہی ہوتا ہے۔ اس لئے جو کچھ میں نے کیا ہے (بلکہ اس سے بھی زیادہ) ہر شخص کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اپنے مقصد کے ساتھ عشق ہو"۔ یہ تھا وہ مردِ دانا و بینا جس نے اپنی فراستِ ایمانی اور بصیرتِ فرقانی سے دلوں کی دُنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔

ذرا سوچئے! ہم سے بڑھ کر بھی کوئی خوش نصیب ہو گا کہ اس رجلِ رشید کی وساطت سے پُورا قرآن اپنے واضح تر 'روشن تر 'حقیقی مفہوم کے ساتھ ہمارے سینوں میں اُتر چکا ہے۔ لیکن ذرا یہ بھی سمجھئے! کہ اس سے زیادہ ہماری بد نصیبی اور کیا ہو گی کہ ایسے صاحبِ نگہ و حقیقت شناس مُعلّم سے رہنمائی حاصل کرنے کے بعد بھی ہم اپنے معاشرہ کی زبوں حالی اور ذلّت و خواری کی خود ساختہ تقدیر نہیں بدل سکے۔ پھر ہمارا یہ قلبی و ذہنی انقلاب چہ معنی دلار؟ ایک طرف ہمیں قرآنی ہونے کا دعویٰ ہے 'دوسری طرف ہم غیر قرآنی نظام میں رہتے ہوئے مطمئن ہیں۔ ہم نے جو براہِ راست پچیّس چھبیس سال بابا جیؒ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ کیا اس کا حق ادا کرنے کی یہی صورت ہے جو ہم نے بنا رکھی ہے۔ میں نے ماہِ جولائی کے حوالے سے آغازِ کلام کیا تھا 'جسے بابا جیؒ سے متعلق ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مگر اُن کی یاد کے ساتھ اُن کوتاہیوں کے در بھی کھل گئے جن کے ذمّہ دار ہم ہیں۔ میں اس وقت ۹ جولائی کی راحت بخش یاد کی طرف پلٹتی ہوں 'کہ جو ماضی کی دل نشین تصویر سامنے لاتی ہے۔ تاریخ

ئش کو عام طور پر سالگرہ کا نام دیا جاتا ہے اور جذباتی لحاظ سے سالگرہ اہمیت بھی رکھتی ہے۔ خاص طور پر اپنی عظیم و عزیز ہستیوں کی سالگرہیں مناتے ہوئے دلوں کو بڑی تقویت اور جان فزا مسرّت محسوس ہوتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ہر سال ۹ جولائی آنے پر سلیم بیٹوں اور بھائیوں کے علاوہ ہم باباجی کی طاہرہ بیٹیاں بالخصوص اُنہیں مبارکباد دینے اُن کے پاس جاتیں اور ان کی درازیٔ عمر کے لئے دعاگو ہوتیں۔ میری کیفیت تو یہ ہوتی کہ صبح ہوتے ہی میں فون کی طرف لپکتی اور باباجیؒ جن پُر خلوص و رُوح پرور دعاؤں سے نوازتے اُن سے مجھے اپنی ذات میں بالیدگی کا احساس ہونے لگتا۔ پھر ہماری یہ خواہش بھی ہوتی کہ باباجیؒ اپنی سالگرہ تقریب کی صورت میں منائیں اور ہمیں خوش ہونے کا موقع دیں۔ لیکن باباجیؒ اسے غیر ضروری شے سمجھتے ہوئے ٹال جاتے۔ تاہم ایک دفعہ ایسا ہؤا کہ باباجیؒ کی فکرِ قرآنی کی پرستار بہن بیگم ملیحہ عبداللہ جمال نے اپنی شدّتِ جذبات کے اظہار اور دلی تمنّا کی تکرار سے باباجیؒ کو اس پر رضامند کر لیا کہ وہ اس موقع پر باباجیؒ کے ہاں اُنکے درمیان دیگر قرآنی بہنوں کے ساتھ ایک چھوٹی سی تقریب کر لیں۔ ظاہر ہے ہمارے لئے یہ بہت خوشی کی بات تھی۔ ملیحہ بہن نے باباجیؒ کی خصوصی نشست گاہ میں چائے وغیرہ کا انتظام کیا۔ اور ہم سامعاتِ درسِ قرآنی بہنیں وہاں پہنچیں۔ اس یادگار محفل میں ہمیں اپنے قرآنی باپ کے ساتھ مل بیٹھنے، اظہارِ خیال کرنے اور انکی شفقت میسّر ہونے کا موقع نصیب ہؤا۔ ان حسین لمحات کے نقوش ہمارے قلوب و اذہان سے کبھی مٹ نہیں سکتے۔ یہ تو ۹ جولائی کے تعلّق سے ایک موقع تھا، ورنہ باباجیؒ نے اُمّت کی طاہرہ بیٹیوں کو کبھی بھی نظرانداز نہیں کیا۔ سلیم بیٹوں کے ساتھ ساتھ بیٹیوں کو بھی اپنے سایۂ عاطفت تلے رکھا۔ ان کے معاشرتی مسائل کو بصیرتِ قرآنی کے ذریعے حل کر کے اُنہیں معاشرے میں خود اعتمادی اور وقار کے ساتھ جینا سکھایا۔ یہاں بائیس تئیس سال پہلے کا ایک تأثرِ قلبی پیش کرنا بے محل نہ ہو گا جو جماعت دہم کی ایک طالبہ کے سچّے جذبے کا اظہار تھا۔ اس نے کہا اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ مجھے درسِ قرآنِ پرویزؒ سے کیا ملا تو میں اتنا ہی کہہ سکونگی کہ "مجھے یہاں سے ایک نیا بابا آدم مل گیا جسکی اولاد میں مرد اور عورت یکساں عزّت و تعظیم کے مستحق ہیں۔ جو دُنیا میں اس لئے آیا ہے کہ جن بچّیوں کو انسانوں کی جہالت اور حقارت نے زندہ قبروں میں دبا دیا تھا، انہیں قرآن کی روشنی میں ان قبروں سے نکال کر زندہ انسانوں کی صف میں کھڑا کر دے"۔ میں سمجھتی ہوں اس سے بڑھ کر تعارف اُس مردِ حق شناس کا ہو نہیں سکتا۔ اور یہ بھی کہ باباجیؒ کا سا غمگسار اور خیرخواہ ہمیں کوئی دوسرا نہیں ملے گا۔

یہ درست ہے کہ قانونِ قدرت کے مطابق ہماری وہ عزیز ترین ہستی چھ سال قبل ہم سے جُدا ہو کر سفرِ آخرت اختیار کر چکی ہے لیکن قرآنِ کریم کے حوالے سے جو کارِ عظیم باباجیؒ انجام دے گئے ہیں، وہ اُن کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

○○○

اَلاِسلَام

اشیائے کائنات کی تو یہ کیفیت ہے کہ وہ سب کی سب، ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کئے جا رہی ہیں جو ان کے لئے تجویز کئے گئے ہیں۔ کیونکہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ لیکن انسان کو صاحبِ اختیار پیدا کیا گیا ہے اس لئے اس کا جی چاہے تو ان قوانین کی اطاعت اختیار کر لے اور چاہے ان کی خلاف ورزی کرے۔ ان قوانین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق انسان کی طبیعی زندگی سے ہے۔ یہ وہی قوانین ہیں جن کا اطلاق دیگر حیوانات پر بھی ہوتا ہے۔ اگر انسان ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو اس سے اتنا ہی ہوتا ہے کہ وہ تندرست و توانا رہتا ہے۔ اس کے طبیعی جسم کی کیفیت خوشگوار ہوتی ہے لیکن اس میں شرفِ انسانیت کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ یہ قوانینِ فطرت کے دوسرے قوانین کی طرح علوم سائنس کے ذریعے دریافت کئے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر قوانین صدیوں سے دریافت شدہ چلے آ رہے ہیں باقی ایسے ہیں جن میں نئے نئے سائنٹیفک انکشافات ہوتے رہتے ہیں۔

دوسری قسم کے قوانین وہ ہیں جن کا تعلق انسان کی ذات کی نشو و نما اور اس کی تمدّنی زندگی کے نظم و ضبط سے ہے۔ یہ قوانین اسے وحی کے ذریعے ملے ہیں اور اب قرآنِ کریم کی دفتین میں محفوظ ہیں۔ انسان کا ان قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا الاسلام کہلاتا ہے۔ طبعی زندگی سے متعلق قوانین کی اطاعت تو انفرادی طور پر کی جا سکتی ہے اور کی جاتی ہے لیکن ان قوانین کا اتباع ایک نظام کے تابع ہی ممکن ہے۔ نظام کیلئے قرآنِ کریم میں دین کا لفظ آیا ہے۔ یہ لفظ ہر نظامِ حیات کیلئے بولا جاتا ہے لیکن جب الاسلام کو نظامِ حیات کے طور پر اختیار کیا جائے تو اس وقت یہ لفظ INDEFINITE سے DEFINITE ہو جائے گا اور الدّین کہلائے گا۔ اسی لئے قرآن میں ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (۳/۱۸) الدّین اللہ کے نزدیک الاسلام ہی ہے۔ دوسری جگہ اس کی وضاحت ان الفاظ سے کر دی کہ وَمن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین۔ جو شخص الاسلام کے علاوہ کوئی اور دین (نظامِ حیات) تلاش اور اختیار کرے گا تو میزانِ خداوندی میں وہ قابلِ قبول نہیں ہوگا، اور وہ دیکھ لے گا کہ آخر الامر وہ کس قدر خسارے میں رہتا ہے۔

(ماخوذ از طلوعِ اسلام جنوری ۱۹۷۳ء)

قاسم نوری

نسخۂ کیمیا

دوستو! جانتے ہو، خوبصورتی کیا ہوتی ہے؟ حسن کسے کہتے ہیں؟ سکون کہاں سے ملتا ہے؟ قابلِ رشک صحت۔ خوشی، چین، آرام، کس طرح حاصل ہوتا ہے؟ نیند کا نشہ، زندگی کا خمار اور لذتِ کام و دہن کس خزانے سے میسر آتی ہے؟

یہ سب کچھ آسمانوں سے نہیں برسا کرتا۔ زمین سے نہیں پھوٹا کرتا، درختوں پر نہیں اُگا کرتا۔ جنگل، صحرا، سمندر، چٹانوں سے نہیں ملا کرتا۔ یہ سب کچھ انسان کے اپنے اندر ہی ہوا کرتا ہے۔ ہر شخص اس خزانے سے مالا مال ہے۔ فقیر سے لے کر شاہ تک، ہر لحظہ سبھی کو یہ دولت میسر ہے۔ ان نعمتوں اور رحمتوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہر فردِ بشر کے پیکر میں شب و روز موجزن ہے۔ جو چاہے اس سے بہرہ مندی کے جواہر نکال لے جو چاہے آنکھیں بند کئے قسمت کو کوستا رہے اور محروم و مغموم مرجائے، فنا ہو جائے بس ضرورت اس کی ہے اور اتنی سی ہے کہ ہم اس سے آگاہ کس طرح ہوں اور اس سے استفادہ کیسے کریں؟

دوستو! خوبصورتی، صحت، امن، رعنائی، حسن، کشش، خوشی، سکون اور میٹھی نیند وہ انمول چیزیں ہیں جو دنیا کے کسی بازار میں نہیں بکتیں اور کسی دوکان سے اور کسی کرنسی سے نہیں خریدی جا سکتیں جس طرح دنیا کے سارے خزانے مل کر سورج کی ایک کرن کو نہیں خرید سکتے۔ ہوا کی ایک لہر کو نہیں پا سکتے۔ بارش کا ایک قطرہ حاصل نہیں کر سکتے۔ موسموں کی ایک جنبش اور گردشِ شام و سحر کی ایک کروٹ نہیں لے سکتے۔ اسی طرح سے طبیعی سکون کا ایک لمحہ اور خوشی کا احساس بھی انمول ہوا کرتا ہے اور کسی قیمت پر نہیں ملا کرتا۔

لیکن ذرا سا غور کریں۔ ادنیٰ سا تفکر کریں تو کیسی کیسی حقیقتیں جگنوؤں کی طرح جھلمل کرتی سامنے آنے لگتی ہیں اور انسان اپنے اندر پوشیدہ صلاحیتوں اور توانائیوں کے عجائبات دیکھ کر حیرتوں کے سمندر میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اور سب سے زیادہ حیرت یہ جان کر اور محسوس کر کے ہوتی ہے کہ یہ سب مذکورہ بالا نعمتیں ہر انسان کو ربِ کائنات

کی طرف سے کسی محنت اور معاوضہ کے بغیر مفت ملی ہوئی ہیں اور ان سے آگاہی اگر کہیں سے ممکن ہو سکتی ہے تو اس تمام کرۂ ارض پر صرف اور صرف ایک کتاب سے ہو سکتی ہے۔ اور وہ ہے قرآن کریم — جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس اعلان کے ساتھ ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس دنیا کی طرف بھیجا گیا:

يَآأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (۱۰:۵۷)

"اے بنی نوعِ انسان! تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے یہ ضابطۂ حیات (قرآن) تمہارے پاس آگیا ہے۔ جس میں ہر اس کشمکش کا علاج ہے جو تمہارے دل کو وقفِ اضطراب رکھتی ہے"

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (۱۰:۵۸)

"ان سے کہو کہ اس قسم کے ضابطۂ ہدایت کا مل جانا اللہ کے فضل اور رحمت سے ہے تم کسی قیمت پر بھی اسے حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ تم اس کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ۔ یہ ہر اس شئے سے بہتر ہے جسے تم جمع کرتے رہتے ہو یعنی زندگی کی ہر متاع سے زیادہ قیمتی اور زیادہ اچھی اور مفید"

اللہ کا سب سے بڑا کرم اور احسان بنی نوعِ انسان پر ہے ہی یہ کہ اس نے انسان کو اس کے اصل مقام اور مرتبہ سے آگاہ و آشنا کر دیا اور اس کے اندر جس قدر بھی طاقت، توانائی اور صلاحیت تھی نہ صرف یہ کہ اس سے باخبر کر دیا بلکہ اس کے مفید و مضر ہونے کی نشاندہی بھی کر دی اور ان کو استعمال میں لانے کی ترکیب یعنی نسخہ بھی بتا دیا۔

آپ نے تانگہ تو دیکھا ہوگا اور اکثر ایسا بھی دیکھا ہوگا کہ بارہ چودہ برس کا کوئی کمزور سا لڑکا تانگہ چلا رہا ہے وہ سارا سارا دن تانگے کو شہر بھر میں دوڑائے پھر رہا ہے۔ گھوڑے کو چابک پہ چابک مارے جاتا ہے اور گھوڑا اس کے اشارے پر سر جھکائے ہانپتا کانپتا عمل کرتا چلا جاتا ہے ———— کبھی سوچا ایسا کیوں ہوتا ہے؟ معمولی سے کمزور سے نوعمر ناتواں بچے سے وہ گھوڑا ہنٹر اور کوڑے کیوں کھائے جاتا ہے؟ جبکہ اس کی طاقت کا عالم یہ ہے کہ چاہے تو ایک دولتی سے سواریوں سمیت تانگہ کو الٹ دے۔ ہاں یہ ظلم وہ اس لئے سہتا ہے کہ اسے اپنے اندر چھپی ہوئی توانائیوں کا ادراک ہی نہیں ہوتا علم اور اندازہ ہی نہیں ہوتا۔ یہی مثال انسان کی ہے اسے علم ہی نہیں ہے کہ وہ کن طاقتوں اور عظمتوں کا مالک ہے وہ چاہے تو اس کائنات کی ساری توانائی کو مسخر کر سکتا ہے:-

اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْہٰرَ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَ النَّہَارَ ۝

اللہ تعالےٰ نے اسباب و ذرائع مہیا کر دیئے ہیں اور تمہارے لئے سمندر، دریا دن اور رات، چاند اور سورج کو مسخر کر دیا اور اس طرح تمہیں وہ سب کچھ دے دیا ہے جس کی تمہیں اپنی نشو و نما کے لئے ضرورت ہے (۲۹ : ۵۵) یہ سامان رزق اس قدر متنوع اور زیادہ ہے کہ اگر تم اسے گننے لگو تو اس کا احاطہ نہ کر سکو (۱۴ : ۳۲-۳۴)

اللہ تبارک و تعالےٰ نے تو اس قدر طاقت عطا کر دی لیکن آگاہی اور علم نہ ہونے کی بنا پر یہی انسان معمولی معمولی کمزوریوں اور بیماریوں سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ اپنی اپنی جگہ ہر فرد آفتاب و ماہتاب ہے۔ توانائیوں کا منبع ہے حسن کا مخزن ہے، خوشی کا مصدر ہے۔ صحت و سکون کا محور ہے۔ لیکن ستم ظریفی دیکھئے کہ انہی چیزوں کی تلاش میں ادھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ سمندر میں رہ کر پیاس سے بلکتا رہتا ہے۔ روشنی کے ہجوم میں اندھیروں کا گلہ کرتا رہتا ہے۔ دولت کے انبار میں بیٹھا مفلسی کا رونا روتا رہتا ہے۔ اناج کے ڈھیر پر بھوک اور فاقہ سے مر جاتا ہے ــــــ اور یہ سب کچھ "**نسخۂ کیمیا**" مل جانے سے پہلے بھی تھا اور اس کے بعد بھی ایسا ہی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ صرف نسخہ ہی کسی مرض کا علاج نہیں ہوا کرتا اس نسخہ پر عمل کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ نسخہ میں درج ہدایات، طریق استعمال اور اشیاء کے اوزان کا بھی خیال نہ رکھا جائے تو آبِ حیات بھی "دعوتِ مرگ" بن جاتا ہے۔ اسد اللہ خان غالب نے کہا تھا:

درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

لیکن دوا بھی حد سے گذر جائے تو درد بن جاتی ہے ــــــ معلوم ہوا اصل چیز توازن ہے اعتدال ہے۔ پرہیز ہے اور نسخہ کی ہدایت پر عمل کرنا ہے۔

اسلام، کوئی پرستش، پوجا پاٹ، جھاڑ پھونک اور جنتر منتر کی چیز نہیں ہے۔ ایک ضابطہ ہے۔ قانون ہے۔ ہدایت ہے۔ زندگی پانے اور گذارنے کا ہنر ہے اور یہ کسی ایک قوم یا قبیلہ یا گروہ کے لئے بھی نہیں ہے۔ بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے۔ صرف موجودہ زمانے کے لوگوں کے لئے نہیں ہے قیامت تک آنے والی نسلوں کی راہنمائی کے لئے ہے ــــــ اس کرۂ ارض کے آخری سانس تک اور نسل

آدم کی آخری کڑی تک انسانیت کے ہر دکھ اور ہر بیماری، ہر تباہی کا علاج مداوا اس کا دعویٰ ہے چیلنج ہے اور مفت ہے، بے مزد بے معاوضہ ہے۔ فرد ہو یا قوم، کافر ہو یا مسلم، مرد ہو یا عورت۔ جو چاہے یہ آبِ حیات اور نسخۂ بقاء قرآن کریم کی پہنائیوں سے حاصل کرلے اور امر ہو جائے۔ شرط وہی ہے جس کا ابھی ذکر کیا ہے کہ طریقِ استعمال اور اجزائے اشیاء کے اوزان اور ہدایت نسخہ کے مطابق ہو۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (۲۶/۸۰)

اور مریض ہو جاؤ تو جو قوانین صحت کے لئے اللہ نے بنائے ہیں، اُن کے مطابق عمل کرو۔"

یہ طریق تو مریض ہو جانے کے بعد کا ہے۔ لیکن آپ مریض بنیں ہی کیوں؟ بیمار ہی کیوں ہوں؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا بیماری قریب ہی نہ پھٹکے اور حسن و رعنائی کبھی دُور ہی نہ ہو؟ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے۔ آپ کبھی بیمار نہیں ہو سکتے ہمیشہ خوبصورت بھی رہ سکتے ہیں اور اگر خوبصورت نہیں ہیں تو خوب صورت بن بھی سکتے ہیں آیئے ترتیب سے چلتے ہیں۔ پہلے حُسن اور خوب صُورتی کی بات کرتے ہیں۔ پھر بیماری اور صحت کا ذکر کریں گے۔

یہ حسن کیا ہے؟ خوب صورتی کیا ہے؟ ساری دنیا میں، ہر قوم اور قبیلے میں بلکہ ہر شخص کی نظر میں حُسن کا معیار اور CONCEPTION جُدا ہے، مختلف ہے۔ بہت سے لوگ صرف گورے رنگ کو ہی خوبصورتی سمجھتے ہیں اور کالا رنگ بدصورتی کی علامت ہوتا ہے۔ کہیں متناسب اعضاء رکھنے والوں کو حسین سمجھا جاتا ہے ـــــ شعراء کا نظریہ بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک

حُسن خود حُسنِ محبت کے سوا کچھ بھی نہیں

لیکن خوبصورتی کیا گورے یا کالے رنگ کی محتاج ہوتی ہے؟ کیا چھوٹی آنکھوں اور مختصر قد میں خوبصورتی نہیں ہو سکتی؟ کیا چوڑی ناک اور تنگ پیشانی والے حسین نہیں ہو سکتے؟ یقیناً ہو سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سچا اور حقیقی معیار وہی ہے جو قرآن کریم کا مقرر کردہ ہے اور قرآن کا دعویٰ ہے کہ "اللہ احسن الخالقین" ہے (۲۳ : ۱۴) یعنی اللہ نے اس کائنات میں جو کچھ بھی تخلیق کیا ہے وہ سب کا سب حسین ہے

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ (۳۲ : ۷)

"اُس نے کُل چیزوں کو خوبصورت اور حسین بنایا ہے"

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (۹۵ : ۴)

"اور تمام انسانوں (نوعِ انسان) کو بہترین شکل و صورت عطا کی گئی ہے ـــــ"

اب جب اللہ تعالیٰ کا فرمانا یہ ہے کہ ہر فردِ بشر کو حسین اور خوبصورت بنایا گیا ہے اور یہی نہیں کہ ہر انسان

مصنوعی طریقے اپنانے کی وجہ سے انسانی صحت تباہ ہوگئی ہے اور نسلِ انسانی اس قدر کمزور ہوتی جا رہی ہے کہ مستقبل تک دھندلا کر رہ گیا ہے۔"

اور یہ مصنوعی طریقے اور غذا کیا ہے؟ صرف چند کا حوالہ پڑھ لیجئے "صاف پانی کی جگہ کولڈ ڈرنکس" "دودھ اور پھلوں کے رس کی بجائے چائے، کافی اور ایسنس ملی ہوئی مصنوعی اشیاء، چاکلیٹ ٹافیز سوئیٹس وغیرہ"، خالص گندم، جس میں فائبر شامل ہو (یعنی چھان، بورا، میدہ سوجی وغیرہ نہ نکالی گئی ہو) سے بنی ہوئی روٹی اور غذا کی بجائے بیکریوں میں مختلف کیمیکلز کی آمیزش سے دیر تک محفوظ رکھنے کے لئے بنائی گئی چیزوں۔ بریڈ، بسکٹ وغیرہ سبزیوں گوشت اور دالوں کے بجائے تیل اور طرح طرح کے گھی میں تلی اور بنی ہوئی چیزیں مثلاً چپس، کرسپس اور سنیکس وغیرہ حتیٰ کہ وہ فصلیں جن پر انتہائی مہلک زہر اور کیمیکلز کا چھڑکاؤ کیا گیا ہو، صحت کو برباد کر دیتی ہیں۔ جسمانی صحت اور بقاء کے لئے عام طبی اصول یہ ہے کہ قدرتی چیزوں، پھلوں، سبزیوں کا استعمال، تازہ پانی، صاف کھلی فضاء، ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہوا اور غذا ضروری ہے۔ یہ ایک عام ضابطہ ہے اصول اور پیمانہ ہے اس سے انحراف کرنے اور مصنوعی چیزوں اور ایسنس اور کیمیکلز سے تیار کردہ غذا، جسمانی نظام وصحت کو بری طرح نڈھال اور پامال کر دیتی ہے ـــ اور اس سے السر، کینسر، فسادِ خون، بلڈ پریشر اور اعصابی تناؤ ظہور پذیر ہوتا ہے اور اس کا اثر آئندہ نسلوں تک کو محیط ہو جاتا ہے۔ اگلی نسل کی ساخت بدل جاتی ہے، صورت بگڑ جاتی ہے، رنگ سو جاتے ہیں اور روپ کھو جاتے ہیں۔ اگر ہم خوبصورت رہنا چاہتے ہیں اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی خوب صورت دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں مصنوعی طریقے چھوڑنے ہونگے۔ قدرتی چیزوں اور طور طریقوں کو اپنانا ہوگا۔ اور انتہائی سادہ زندگی اختیار کرنا ہوگی۔

دوستو! قرآن کریم کا دعوےٰ ہے اور اللہ کا یہ چیلنج ہے کہ جو بھی مقرر کردہ اصولوں اور ضابطوں کی پابندی کرے گا اس کے لئے فلاح ہی فلاح ہے، حسن ہی حسن ہے، جمال ہی جمال ہے۔ بقاء ہی بقاء ہے۔ بدصورتی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی (۱۰ : ۲۱) سو اللہ کے اس دعوے کو جو چاہے آزما کر دیکھ لے اور خود کو حسین سے حسین تر، بے مثال فردِ بشر اور مرقعِ جمال، بنا لے ـــ

اسی طرح۔ قرآن کریم نے انسان کے جسمانی امراض کا بھی ذکر کیا ہے اور نفسیاتی امراض کا بھی۔ ان دونوں کے لئے ایک ہی اصطلاح استعمال کی ہے "مَا فِی الصُّدُوۡرِ" آپ انہیں دل کی بیماریاں کہہ سکتے ہیں۔ ان کے لئے بھی اللہ کا دعوےٰ ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ

" اور زندگی کا پیکر عطا کیا تو ایسا جو بہترین حسن و تناسب کا مظہر ہے "
اور بالکل انہی لفظوں کو " سورہ التغابن " کی آیت ۳ میں بھی اللہ نے دہرایا ہے۔ اور "سورہ الملک" کی آیت میں تو بات کو اس طرح سمجھایا ہے کہ مزید کسی وضاحت اور تفصیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۖ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُوْرٍ ۝ (۶۷ : ۳)

" کائنات میں کسی جگہ بھی تم عدمِ تناسب، جھول، ڈھیل، شکن اور سلوٹ نہیں دیکھو گے۔ تم یہاں سے وہاں تک دیکھ جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ کائنات میں کہیں بھی بے ترتیبی نظر نہیں آئے گی ——— ایک بار نہیں تم بار بار نگاہ کو لوٹا کر دیکھو۔ خوب جانچ پڑتال کرو ——— تمہیں کہیں کوئی دراڑ یا درز دکھائی نہیں دے گی۔ کوئی شے بے جوڑ اور انمل نہیں ہوگی "

آپ نے غور کیا؟ بات کیا ہے۔ حسن کا معیار کیا چیز قرار پائی؟ وہی جس کا ذکر ابھی کچھ دیر پہلے ہوا ہے۔ تناسب توازن ۔ اعتدال ——— جو چیز جس قدر متناسب ہوگی، متوازن ہوگی اتنی ہی PERFECT ہوگی اور "حسین" کہلائے گی۔ یہ ہے حسن و خوبصورتی کا قرآنی معیار ۔ اس معیار کی رُو سے کالے رنگ اور گورے رنگ کی کوئی تخصیص نہیں رہی کالے رنگ کا انسان اگر متناسب ہے متوازن ہے اور مکمل (PERFECT) ہے تو "حسین" ہے اور گورا رنگ متناسب نہیں ہے تو یہ بدصورتی کے زمرہ میں آتا ہے۔

یہ **کائنات** اور اس کائنات میں موجود ہر شے اسی لئے حسین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تناسب اور توازن رکھا ہے۔ (۸۸ : ۲۷) حتیٰ کہ نباتات اور حیوانات تک میں ایک تناسب اور اعتدال پایا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی شے اعتدال میں نہ رہے اور اپنا توازن کھو بیٹھے تو پورا کرۂ ارض تہہ و بالا ہو کر رہ جائے۔ پانی اگر اعتدال سے تجاوز کر جائے تو زندگی دینے کے بجائے زندگی لینے کا باعث بن جائے ——— سورج اگر حدود فراموش ہو جائے تو ہماری یہ دنیا، دوسرے ہی لمحہ ایک کوئلہ بن جائے ——— گرمی، سردی، موسم غرض کسی بھی چیز کو لے لیجئے اگر یہ سب توازن قائم نہ رکھ سکیں تو نہ یہ خوبصورت کہلائیں اور نہ زندگی بخش رہیں ——— یہ سب ہوں یا حضرتِ انسان ہوں، اسی وقت تک حسین، پُرکشش، حیات بخش اور شاہکار ہیں جب تک اعتدال میں ہیں، توازن قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خارجی کائنات کی مثال ہی اس لئے دیتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے سمجھائے کہ دیکھو جس طرح اللہ کے دیئے ہوئے قانون اور ضابطوں کی پابندی کرنے سے اشیائے کائنات میں کوئی انتشار پیدا نہیں ہوتا۔ کبھی فساد نہیں ہوتا کبھی کسی قسم کا جھگڑا نہیں ہوتا۔ اختلاف نہیں ہوتا اور کبھی ان میں بدصورتی پیدا نہیں ہوتی تو اگر انسان بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نسخہ (قرآن کریم) کے مطابق

قانون اور ہدایت کی پابندی کرے تو وہ بھی ہمیشہ امن و سلامتی سے رہ سکتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی امن و سلامتی کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کی PERFECTION میں کبھی کمی نہیں ہو سکتی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ حسین اور خوبصورت رہ سکتا ہے ——— گویا اشیاء ہوں یا انسان اس میں "بدصورتی" پیدا ہی اس وقت ہوتی ہے جب وہ اعتدال اور توازن کھو بیٹھتا ہے اور اپنے نظامِ زندگی میں توازن قائم نہیں رکھ سکتا یا رکھنے میں ناکام رہتا ہے (۷۲ : ۳۳)۔

یہاں بہت ہی اہم سوال سامنے آتا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ نے انسان کو (PERFECT) مکمل بنایا ہے اور احسن یعنی حسین و جمیل بھی تو یہ جو اکثر و بیشتر ٹیڑھے بڑھنگے اور عجیب الخلقت لوگ دکھائی دیتے ہیں یہ کیا ہیں؟ کیا یہ سب بھی "حسین و جمیل" کہلائے جا سکتے ہیں؟ کیا انہیں بھی قدرت کا شاہکار ہی سمجھا جائے گا؟ جی نہیں! ہرگز نہیں۔ نہ اس کا تعلق قدرت سے اور نہ تقدیر سے اور نہ ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی منشا مرضی اور عملِ تخلیق سے ہے۔ اللہ تو انسان کو مکمل اور حسین ہی پیدا کرتا ہے۔ لیکن انسان اپنی تباہی اور بدصورتی کے سامان خود ہی کرتا رہتا ہے۔ (۴ : ۹۵)

حقیقت تو یہ ہے اللہ تعالیٰ نے "ہر شئے کے لئے ایک پیمانہ مقرر کر دیا ہے۔" قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (۶۵ : ۳) عربی زبان میں 'قدر' کہتے ہی پیمانے کو ہیں۔ یعنی ایسا ضابطہ اور قانونِ ہدایت جس کی پابندی ہر شئے کر رہی ہے۔ چنانچہ انسان کے لئے بھی ایسا ہی کہا گیا۔ "اللہ نے انسان کو پیدا کیا تو اس کے لئے بھی پیمانے مقرر کر دیئے" مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ (۸۰ : ۱۹) یعنی انسان کے لئے بھی ضابطہ اور قانون بنایا۔ اب جو بھی انسان اس ضابطہ کے مطابق زندگی گزارے تو وہ بہترین مخلوق بن جاتا ہے اور "وحی" یعنی ضابطۂ ہدایت کے مطابق نہ چلے تو بدترین مخلوق بن جاتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (۹۸ : ۶-۷)

قرآن کریم کے ان الفاظ پر پھر غور کیجئے۔ کہا یہ گیا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کے مقرر کردہ ضابطوں اور پیمانوں کے مطابق عمل نہیں کرتے اور اس طرح کفر و شرک کے مرتکب ہوتے ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور ان کا شمار بدترین مخلوق میں ہوگا اور جو اللہ کے قوانین پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ وہی بہترین مخلوق میں شمار ہونگے ——— یعنی عمل کرنا اور نہ کرنا انسان کے اپنے اختیار اور ارادہ میں ہے وہ جیسا عمل کرے گا ویسا ہی بن جائے گا۔ چاہے تو بہترین مخلوق بن جائے اور جنّت کی زندگی پائے اور چاہے

تو اللہ کے مقرر کردہ قوانین سے منہ موڑ کر من مانی کرے اور بدترین مخلوق بن جائے۔ اپنے عمل اور ارادہ میں وہ مکمل آزاد ہے۔ (۳-۱ : ۷۶) اسی ایک بات سے مسئلہ تقدیر بھی حل ہوجاتا ہے کہ انسان کے اعمال اس کی پیدائش سے پہلے لکھے ہوئے نہیں ہوتے۔ وہ مجبورِ محض نہیں ہے۔ یہ لفظ تقدیر بھی "قدر" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی "پیمانہ اور اندازہ" ہوتے ہیں۔ اسی لفظ سے مقدر بھی نکلا ہے ——— یہ بات ضمناً نہیں آئی اور نہ بطورِ معترضہ کہی گئی ہے، ہمارے زیرِ بحث موضوع سے ہی متعلق ہے۔

ذکر ہو رہا تھا کہ یہ جو بدصورت، بدوضع، بے ہنگم، عجیب الخلقت اور ٹیڑھے بڑنگے لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ کیا انہیں بھی "اللہ کی شاہکار تخلیق" سمجھا جائے گا؟ اور ہم نے کہا تھا ہرگز نہیں! اللہ نے انسان کو حسین و مکمل (COMPLETELY PERFECT) بنایا (۴۰ - ۶۴) اپنی بدصورتی اور تباہی کا سامان انسان خود کرتا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ کے مقرر کردہ اصولوں، ضابطوں اور پیمانوں سے جب انحراف کر کے من مانی کرنے لگتا ہے تو سارا نظامِ ہیئت اتھل پتھل ہو کر رہ جاتا ہے ——— اللہ تعالےٰ نے غذا اس کا استعمال، صحت اور اس کے اصول اور جسمانی بقا و فلاح کے بھی کچھ پیمانے مقرر کئے ہیں اور قرآنِ کریم میں ان کا ذکر اور واضح ہدایات موجود ہیں۔ ان کے مطابق عمل کرنے سے انسان کبھی بیمار نہیں پڑ سکتا اور طبعی عمر خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، انسان چاک و چوبند رہ سکتا ہے۔

یہاں صرف اسی قدر سمجھ لیجئے کہ صحت کے اصولوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو نظامِ جسم بگڑ جاتا ہے اور صرف تباہی و بربادی ہی نہیں آتی، موت بھی آجاتی ہے۔ آپ اسے کائناتِ جسم کی قیامت بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ جس قدر بھی بدصورت، عجیب الخلقت اور بے ہنگم مخلوق نظر آتی ہے۔ یہ ان کی اپنی اور بیشتر ان کے والدین کی غلطیوں، کوتاہیوں اور اصولِ صحت سے انحراف کا نتیجہ ہوتی ہے ——— دورانِ حمل ماں کو مناسب غذا نہ ملے یا وہ احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرے۔ اچھل کود، محنت مشقت، تکلیف دہ سفر، اعصابی اور ذہنی تناؤ، بلڈ پریشر، شوگر کی بیماری اور اسی قسم کی دیگر بے شمار باتوں کی وجہ سے ہونے والے بچے کی صحت اور ساخت پر زبردست اثر پڑتا ہے۔ کچھ والدین نشہ کے عادی ہوتے ہیں، کچھ اعصاب شکن ماحول میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اولادیں، پیدائش سے پہلے ہی اپاہج، ذہنی طور پر ماؤف اور عجیب الخلقت یا عجیب عجیب بیماریوں کا شکار ہوجاتی ہیں ——— امریکہ، یورپ اور افریقہ میں بے شمار ایسے بچے پیدا ہو رہے ہیں جو "ایڈز" کا شکار ہیں۔ کیا ان سب کو اللہ یہ بیماریاں اور عذاب دے کر دنیا میں بھیج رہا ہے؟ ان ممالک کو چھوڑیئے! مشرقِ وسطیٰ، ایشیا، اور برصغیر پاک و ہند میں طبی ماہرین نے بیشتر بیماریوں کا جو سبب دریافت کیا ہے وہ بڑا حیران کن ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ "قدرتی چیزوں اور اصولوں کو چھوڑ کر

مصنوعی طریقے اپنانے کی وجہ سے انسانی صحت تباہ ہو گئی ہے اور نسلِ انسانی اس قدر کمزور ہوتی جا رہی ہے کہ مستقبل تک دھندلا کر رہ گیا ہے۔"

اور یہ مصنوعی طریقے اور غذا کیا ہے؟ صرف چند کا حوالہ پڑھ لیجئے "صاف پانی کی جگہ کولڈ ڈرنکس" "دودھ اور پھلوں کے رس کی بجائے چائے، کافی اور ایسنس ملی ہوئی مصنوعی اشیاء، چاکلیٹ، ٹافیز سویٹس وغیرہ" خالص گندم، جس میں فائبر شامل ہو (یعنی چھان، بورا، میدہ سوجی وغیرہ نہ نکالی گئی ہو) سے بنی ہوئی روٹی اور غذا کی بجائے بیکریوں میں مختلف کیمیکلز کی آمیزش سے دیر تک محفوظ رکھنے کے لئے بنائی گئی چیزوں ۔ بریڈ، بسکٹ وغیرہ سبزیوں، گوشت اور دالوں کے بجائے تیل اور طرح طرح کے گھی میں تلی اور بنی ہوئی چیزیں مثلاً چپس، کرسپس اور سنیکس وغیرہ حتیٰ کہ وہ فصلیں جن پر انتہائی مہلک زہر اور کیمیکلز کا چھڑکاؤ کیا گیا ہو، صحت کو برباد کر دیتی ہیں۔ جسمانی صحت اور بقاء کے لئے عام طبی اصول یہ ہے کہ قدرتی چیزوں، پھلوں، سبزیوں کا استعمال، تازہ پانی، صاف کھلی فضاء، ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہوا اور غذا ضروری ہے۔ یہ ایک عام ضابطہ ہے اصول اور پیمانہ ہے اس سے انحراف کرنے اور مصنوعی چیزوں اور ایسنس اور کیمیکلز سے تیار کردہ غذا، جسمانی نظام وصحت کو بری طرح نڈھال اور پامال کر دیتی ہے ـــ اور اس سے السر، کینسر، فسادِ خون، بلڈ پریشر اور اعصابی تناؤ ظہور پذیر ہوتا ہے اور اس کا اثر آئندہ نسلوں تک کو محیط ہو جاتا ہے۔ اگلی نسل کی ساخت بدل جاتی ہے، صورت بگڑ جاتی ہے، رنگ سو جاتے ہیں اور روپ کھو جاتے ہیں۔ اگر ہم خوبصورت رہنا چاہتے ہیں اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی خوب صورت دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں مصنوعی طریقے چھوڑنے ہونگے۔ قدرتی چیزوں اور طور طریقوں کو اپنانا ہوگا۔ اور انتہائی سادہ زندگی اختیار کرنا ہوگی۔

دوستو! قرآن کریم کا دعوےٰ ہے اور اللہ کا یہ چیلنج ہے کہ جو بھی مقرر کردہ اصولوں اور ضابطوں کی پابندی کرے گا اس کے لئے فلاح ہی فلاح ہے، حسن ہی حسن ہے، جمال ہی جمال ہے۔ بقاء ہی بقاء ہے۔ بدصورتی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی (۱۰ : ۲۱) سو اللہ کے اس دعوے کو جو چاہے آزما کر دیکھ لے اور خود کو حسین سے حسین تر، بے مثال فردِ بشر اور مرقعِ جمال؛ بنا لے ـــ

اسی طرح۔ قرآن کریم نے انسان کے جسمانی امراض کا بھی ذکر کیا ہے اور نفسیاتی امراض کا بھی۔ ان دونوں کے لئے ایک ہی اصطلاح استعمال کی ہے "مَا فِی الصُّدُور" آپ انہیں دل کی بیماریاں کہہ سکتے ہیں۔ ان کے لئے بھی اللہ کا دعوےٰ ہے:۔

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ

اے نوعِ انسان! تمہارے نشو و نما دینے والے کی طرف سے یہ ضابطۂ ہدایت (قرآن کریم)
تمہارے پاس آگیا ہے۔ اس میں ہر اس کشمکش (اور تمام بیماریوں) کا علاج موجود ہے
جو تمہارے دلوں کو پریشان رکھتی ہیں (اور لاحق ہو سکتی ہیں) ——— (۱۰ / ۵۷)

قرآن کی رُو سے کسی نظام کے اعتدال اور توازن کے بگڑنے کو "مرض" کہتے ہیں جس سے قوتوں میں اضمحلال آ جاتا ہے ——— اس نظام کے پھر سے اعتدال پر آجانے کا نام "شفاء" ہے ——— حیرت ہوتی ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے جب کہ طبّی سائنس ابھی پنگھوڑے میں تھی اور پورے کرۂ ارض پر جن بیماریوں کا نام تک موجود نہ تھا قرآن نہ صرف ان بیماریوں کا ذکر کرتا ہے بلکہ ان کی تفصیل بھی دیتا ہے۔ وجہ مرض اور اس کا علاج تک تجویز کرتا ہے مثلاً نفسیاتی الجھنیں (PSYCHOLOGICAL DISORDERS)۔ یا MENTAL DISTURBANCES یا EQUILIBRIUM ذہنی توازن بگڑ جانا یا TENSENESS اعصابی اور ذہنی کھنچاؤ وغیرہ۔ یہی نہیں آج کے ترقی یافتہ دور اور سائنس کے عروج کے زمانے میں بھی ایک نام ایسا نظر آتا ہے جسے چند برس پہلے تک مرض نہیں سمجھا گیا تھا بلکہ کوئی مرض کہتا تو طبّی سائنس قہقہہ لگانے لگتی تھی لیکن قرآنِ حکیم نے ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس کو مرض ہی نہیں کہا بلکہ "مہلک مرض" قرار دیا۔ اور وہ ہے "دوہری شخصیت" یعنی منافقت (HYPOCRACY) جو انسانی کیریکٹر کو اس قدر کمزور کر دیتی ہے کہ انسان متوازن رہ ہی نہیں سکتا۔ اس قدر نفسیاتی مریض ہو جاتا ہے کہ اس پر دین اور دنیا دونوں حرام ہو جاتے ہیں۔ دلوں میں کج رَوی کے جذبات شدید تر ہو جاتے ہیں۔ (۵۳ : ۲۲)۔ کسی بات پر اعتماد نہیں ہوتا (۱۲ : ۳۳) ذہن ایسا ملدّر ہو جاتا ہے کہ بات صاف صاف دکھائی نہیں دیتی (۹ : ۱۲۵) دِل میں حسد اور بُغض پیدا ہو جاتا ہے (۴۹ : ۸) بات بات پر جھوٹی قسمیں کھانے لگتے ہیں۔ (۵۸ : ۱۴) جس بات سے روکو وہی کرتے ہیں (۵۸ : ۸) ہر بات میں شک اور شبہ کرتے ہیں (۲۴/۵۰) دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ زبان پر نہیں لاتے، زبان پر لاتے ہوئے خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں (۳ : ۱۹۶)۔ قرآنِ کریم میں ایک سو آیتوں میں منافقین کا ذکر آیا ہے اور ایک پوری سورۃ "سورہ منافقون" کے نام سے ہے جس میں اس بیماری کی تفصیل اور علاج بیان کیا گیا ہے۔ اور لا علاج مریضوں کے لئے دو ٹوک الفاظ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ "یہ جہنم میں جائیں گے" (۳۲/۲۰، ۴۶/۲۰)

حقیقت یہ ہے کہ قرآنی تعلیم کا منتہیٰ اور مقصد "ذاتِ انسانی" کی نشوونما ہے جس کی محسوس، معلوم اور واضح شکل ہوتی ہے ایک متوازن شخصیت یعنی (BALANCED PERSONALITY) اس متوازن شخصیت میں کسی قسم کا کوئی نفسیاتی مرض (COMPLEX) نہیں ہوتا۔ ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا

جو اللہ کے اس ضابطۂ حیات کی پیروی کرتے ہیں وہ ہمیشہ متوازن رہتے ہیں BALANCED رہتے ہیں کبھی بیمار نہیں ہو سکتے۔ طبّی قوانین اور صحت کے اصولوں کی پاسداری و پابندی۔ زندگی کو بہشت بنا دیتی ہے۔ جنّت بداماں کر دیتی ہے۔

طلوعِ اسلام

ہزاروں کی تعداد میں چھپتا ہے

طلوعِ اسلام میں اشتہار دینے سے آپ کے کاروبار کو کس قدر پبلسٹی مل سکتی ہے!

۱۹۹۱ء کے لئے اشتہارات کے نرخ یہ ہیں!

- **ٹائٹل کے صفحات** • ایک بار کے لئے • سال بھر کے لئے

صفحہ ۲، ۳ (اندرونی صفحات) ——— ۶۰۰ روپے ——— ۵۰۰۰ روپے

صفحہ ۴ (بیرونی صفحہ) ——— ۸۰۰ روپے ——— ۶۰۰۰ روپے

- **اندرونی صفحات**

پورا صفحہ ——— ۵۰۰ روپے ——— ۳۰۰۰ روپے

نصف صفحہ ——— ۲۷۵ روپے ——— ۱۵۰۰ روپے

چوتھائی صفحہ ——— ۱۵۰ روپے

مذکورہ بالا شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اشتہار شائستہ اور معیاری ہونے چاہئیں۔

ناظمِ ادارہ طلوعِ اسلام لاہور ———

مس روبینہ صادق کا مقالا جو طلوعِ اسلام کنونشن کیلئے لکھا گیا لیکن کنونشن میں پڑھا نہ جا سکا۔

مَیں بہت دُکھی ہوں

"میں بہت دکھی ہوں" یہ وہ جملہ ہے، سامعین گرامی قدر! جو ہمارے ہاں تکیہ کلام بن چکا ہے۔ یہ اس لئے کہ جدھر دیکھئے ہر طرف دکھوں کا رونا ہے۔ کرب ہے، تڑپ ہے۔ آنسو ہیں، آہیں ہیں، دعائیں ہیں التجائیں ہیں۔ نظر آتا ہے کہ کرۂ ارض پر شاید ہی کوئی خوش قسمت ہوگا جو دکھوں کا شاکی نہ ہو۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ دکھ کون دیتا ہے۔ آلام کہاں سے نازل ہوتے ہیں۔ سوال اگرچہ آسان نہیں لیکن جہاں تک میں سمجھتی ہوں۔ حضرت انسان کے ساتھ ہوتا کچھ یوں ہے کہ یونہی اس کا شعور بیدار ہوتا ہے اس کے جذبات امڈ آتے ہیں، آرزوئیں مچلتی ہیں، خواہشات جنم لیتی ہیں اور ایک دن اس کے یہ حسین جذبات، معصوم آرزوئیں چھوٹی چھوٹی خواہشات بڑھتے بڑھتے طلاطم خیز موجوں کا رُوپ دھار لیتی ہیں۔ مراد بھر آئی تو ٹھیک ورنہ کھُل گیا دکھوں کا پٹارا۔ کہیں محرومیوں کا گلہ ہے تو کہیں ناکامیوں کا رونا۔ کہیں زندگی سے بیزاری ہے تو کہیں دنیا سے ٹکرا جانے کا عزم کہ خواہشات کے ناتمام رہنے کا یہی انجام ہوتا ہے جو ایک جوئے رواں کی طرح کناروں کے اندر بہہ رہی ہے تو شادابیوں کا ذریعہ بنتی ہے اور کناروں سے اچھل پڑے تو تباہ کُن سیلاب کا رُوپ دھار لیتی ہے۔

انسانوں کی دنیا میں وحیٔ خداوندی انسانی جذبات کو کنارے فراہم کرتی ہے۔ انسانی جذبات وحی سے ہمکنار رہیں تو امن سکون اور سلامتی کا باعث بنتے ہیں اور اگر وحیٔ خداوندی سے انحراف کی صورت پیدا ہو جائے تو یہی جذبات صاحب جذبات کے لئے تباہی اور ہلاکت کا پیغام لے آتے ہیں اور اس طرح ایک اچھا بھلا انسان خود اپنے ہی جذبات کے ہاتھوں مغلوب ہو کر دوست سے دشمن، اقرب سے عقرب اور انسان سے شیطان بن جاتا ہے۔

جذبات کی یہی بے راہروی معاشرہ کو دکھی کرتی اور ہم میں سے ہر فرد کو مضطرب رکھتی ہے۔ ہمارے لئے سُکھ اور چین کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے وحیٔ خداوندی (قرآنِ کریم) کی روشنی میں قدم اٹھانا۔ اس کے لئے ہمیں اپنے جذبات کو عقل کے تابع اور عقل کو وحی کے تابع رکھنا ہوگا۔ پھر ہم امامت وخلافت کے حامل ہو کر سربلندیاں

اور سرفرازیاں حاصل کر سکیں گے اور اس دنیا کو اطمینان و سکون کی جنّت بنا کر آخرت کی جنّت پا سکیں گے۔ اس ایمان و عمل کے ساتھ کوئی مومن نہ دکھی ہو سکتا ہے نہ مایوس جو قلب کی گہرائیوں سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر یقین رکھتا ہو وہ اس واحد مالکِ حقیقی کی عبودیّت سے عملاً منکر نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا منفی عمل ہی ہمیں ہر سانس دُکھی بناتا اور ہم سے چیخ و پکار کرواتا ہے۔

ہم زبان سے تو اللہ کو صاحبِ اقتدار اور تمام کائنات کا مالک کہتے ہیں اور خود اس کے عبد ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن عملاً اپنے استعمال میں آنے والی ہر شے کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کے مالک ہم خود بن جاتے ہیں۔ سب کچھ ہمارا ہوتا ہے اس طرح جیسے اللہ کے خالق و مالک ہونے کا ہماری داخلی دنیا سے کوئی تعلق نہ ہو۔

یہ میرا ہے وہ تمہارا ہے کا احساس ہی ہمارے دکھوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی سے جہنّم کا آغاز ہوتا ہے۔ دعویٰ ہمارا اس کی عبودیّت اور محکومیّت کا اس کے بندے ہونے کا اور دراصل بندے اور غلام ہیں ہم اپنی خواہشات اور اپنے جذبات کے۔ ہم نے تو اللہ کو مالک اس لئے بنا رکھا ہے کہ وہ ہماری ہر خواہش اور ہر آرزو کو پورا کرتا رہے اور بس۔ ہمارے قول و فعل کا یہ تضاد ہی ہم سب نام نہاد مسلمانوں کا واحد دکھ ہے :

یہ بھی کیا دَور ہے لفظوں میں معانی نہ رہے
کفر سینوں میں ہے ہونٹوں پہ ہے قرآں جاری

سامعینِ محترم! کیا ہمارے لئے یہ لمحہ فکریہ نہیں؟ جان لیجئے! کہ جس دن ہم نے صحیح معنوں میں اللہ کو اپنا اور اپنی چیزوں کا مالک سمجھ لیا۔ وہی دن ہمارے دکھوں کا آخری دن ہوگا۔ اور اسی لمحہ سے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہو جائے گا۔ جب ہم اپنے اختیار اور قبضہ کی ہر چیز کو اللہ کی امانت قرار دیں گے اور اسے اس کی منشاء اور قانون کے مطابق تصرّف میں لائیں گے۔ جب ہماری دولت۔ ہماری اولاد۔ ہمارا وقت، ہمارے جذبات و خیالات سب کچھ اللہ کی امانت بن جائے گا۔ جس میں کسی طور خیانت نہیں کی جائے گی۔ کسی حوالے سے بھی غلط قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔ جب ہم اپنے ہر سانس کو اللہ کی امانت تصوّر کرتے ہوئے اپنی حیثیت اس امین کی سمجھیں گے جسے ایک ایک عمل اور ایک ایک چیز کا حساب دینا ہوتا ہے۔

ذرا سوچئے! کیا اس وقت یہ دنیا، یہ معاشرہ، جنّت کی زندہ مثال نہیں بن جائے گا۔ جب ہمارا ہر کام اللہ کے قانون کے تحت انجام پائے گا۔ پھر کس کو اس فریاد کی ضرورت ہوگی کہ

"مَیں بہت دکھی ہوں"

شکریہ !!

حسین امیر فرہاد

شریعت بل

روزنامہ پاکستان کی ۲۳ مئی کی اشاعت میں لکھا ہے کہ

"چونکہ اسلام کو پاکستان کا مملکتی مذہب قرار دے دیا گیا ہے اور اس لئے تمام مسلمانوں پر لازم و واجب ہے کہ وہ قرآنِ پاک اور سُنّت کے احکام کی پیروی کریں۔"

عرض یہ ہے کہ مملکت کوئی بھی ہو۔ اس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اوّل تو مذہب کا لفظ ہی قرآن میں نہیں۔ یہ لفظ ایجاد ہوا ہے، خدا اور بندے کے درمیان پرستش کیلئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو لفظ قرآن میں بار بار دہرایا ہے۔ وہ ہے "دین" فرمایا

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔(۳/۱۸)

خدا کے نزدیک دین ہی اسلام ہے

اور یہ بھی فرمایا "دین کے تمکّن کیلئے مملکت کا ہونا لازمی ہے۔" (۲۴/۵۴)۔ مملکت کیلئے دین کا ذکر نہیں۔ دین مذہب کو مٹانے کے لئے آتا ہے۔ یہ ایسے نظامِ مملکت کا نام ہے۔ جس میں قوانینِ خداوندی عملاً نافذ ہوں اور زندگی اقدارِ خداوندی میں ڈھلتی ہو۔ دین ہمہ گیر ہے کل کائنات پر۔ مذہب کا لفظ چونکہ غیر قرآنی ہے لہٰذا کھٹکتا ہے۔ صحیح لفظ دین ہے نہ کہ مذہب۔

اس کے باوجود کسی بے جان مملکت کا نہ کوئی دین ہوتا ہے نہ مذہب۔ دین تو اس کا ہوتا ہے جو علیٰ وجہ البصیرت دل و دماغ سے اسے قبول کرے۔ یوں کہنا تو درست ہے مسلمانوں کی حکومت۔ اسلام والوں کی حکومت۔ وغیرہ وغیرہ۔

دوسری بات جو کھٹکی وہ یہ تھی کہ تمام مسلمانوں پر لازم ہوگیا اور واجب ہوگیا کہ وہ قرآنِ پاک اور سنّت کے احکام کی پیروی کریں۔

سنّت کے احکام سے غالباً مراد ہوگی۔ احادیث نبویؐ۔ اس سے یوں پتہ چلتا ہے کہ قرآن

کے احکام کچھ تھے اور (معاذاللہ) رسول کے احکام کچھ۔ اس لئے یہ ٹکڑا لگانا پڑ گیا۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے ایک نمونہ تھے۔ آپ احکامِ الٰہی کے سب سے زیادہ پابند تھے۔ ان کا قول و فعل قرآن کے عین مطابق تھا۔ قرآن پر آپ کا بھی ایمان تھا۔ (۱۵/۴۲)۔ اس لئے قرآن کے ساتھ سنّت کے ٹکڑے کی ضرورت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "صرف قرآن کی اتّباع کرو" (۶/۹۲) قرآن نازل کرنے کی ضرورت بھی اس لئے پڑی کہ اس سے پہلے کی کتابوں میں تحریف ہو چکی تھی۔ خدا کا اور انبیاء کا کلام آپس میں ملا دیا گیا تھا۔ قرآن کے ساتھ کچھ ملانے کی اجازت نہیں۔ چاہے اس کا نام کوئی سُنّت رکھے یا حدیث۔ قرآن کی طرح یا اس سے ملتی جلتی تو کوئی چیز لا نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ تو چیلنج دیتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

"اگر تمہیں اس کتاب میں کوئی شک ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل کی ہے تو فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ مرتو اس طرح کی اس سے ملتی جلتی کوئی سورۃ ہی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں۔ انہیں بھی لے آؤ (۲/۲۳)

جب اس قرآن جیسی ایک سورت بھی کوئی نہیں لا سکتا یا دنیا میں اس کا وجود ہی نہیں تو پھر کیا ضرورت ہے اس کے ساتھ کوئی لفظ جوڑنے کی۔ دودھ اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے اور دہی اپنی جگہ۔ اگر دودھ میں ایک قطرہ بھی دہی کا ملا دیا جائے تو وہ پھر دودھ نہیں رہتا۔ سیرتِ رسولؐ قرآن کے مخالف ہو ہی نہیں سکتی۔ ان کی پوری حیاتِ طیبہ ہمارے سامنے ہے۔ وہ قرآن پر سب سے زیادہ، عمل کرنے والے تھے۔ پھر ارشادِ باری تعالےٰ ہے کہ:

"بروزِ قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گے کہ میرے اللہ میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ (۲۵/۳۰)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں کہیں گے کہ میری قوم نے میری سنّت کو چھوڑا تھا۔ میری حدیث کو چھوڑا تھا۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی وغیرہ کو چھوڑا تھا۔ لہٰذا اس قرآن کے ساتھ کچھ ملا دینا درست نہیں۔

تیسری چیز تھی عوام کو فوری اور سستا انصاف فراہم کرنا ——— سستے انصاف کو غالباً پہلی بار ضیاء الحق مرحوم نے متعارف کرایا تھا۔ اس کے بعد جلا بخشی جونیجو صاحب نے۔ ان کے بعد ہر سربراہ اور وزراء نے اس مقدس پیشہ کو بوسہ دیا۔ چاہے وہ نگران ہوں یا غیر نگران۔ کوئی بندۂ خدا اتنا غور نہیں کرتا کہ یہ کس چیز کو ہم بوسہ دے رہے ہیں۔ انصاف کے ساتھ مہنگا یا سستا لفظ لگانا انصاف کی

توہین کرتا ہے۔ صدر اوّل میں انصاف مُفت ہوا کرتا تھا یا سستا ؟

مَیں ایک پارٹی کے سربراہ کے آفس میں موجود تھا۔ وہ منشور ترتیب دے رہے تھے۔ بالآخر انہوں نے ریکارڈ پر سوئی یہاں لا کر ٹکا دی کہ اگر ہمارا دور آیا تو ہم عوام کو سستا انصاف مہیا کریں گے۔ میں نے کہا للہ اس سستے انصاف کا ذکر نہ کریں۔ یوں لکھیے کہ ہم عوام کو مفت انصاف مہیا کریں گے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی انصاف مُفت تھا۔

کہا کیوں ہمارا کباڑا کر رہے ہو۔ اس طرح تو کالے کوٹ والے ہمیں چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔ کون کالے کوٹ والے ؟ میں نے دریافت کیا۔

کہا جو عدالت میں کود کر کہتے ہیں۔ مائی لارڈ ملزم بے گناہ ہے !

میں اس نتیجے پر پہنچا جو حکومت سستے انصاف کا ذکر کرتی ہیں۔ وہ بھی کالے کوٹ والوں سے گھبراتی ہے مفت انصاف سے وکلا کا رزق مارا جاتا ہے اور وکیل ہی تو وہ خام مال ہے جسے رندہ ریگ مال کر کے بعد میں وزیر، مشیر، سفیر اور صدور وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو ایک نظر آگے پیچھے ڈال لیجئے۔ قائداعظم، لیاقت علی، عبدالرب نشتر، گاندھی، نہرو سب ہی وکیل تھے۔ حتیٰ کہ بھٹو بھی وکیل تھے اور اب بھی متعدد وزیر ایسے ہیں جو وکیل بھی ہیں۔ اس طاقت کے خلاف ایک بار مودودی صاحب نے کہا تھا۔

" اس کافرانہ نظام میں وکیل کا رزق حرام ہے " (ترجمان القرآن جنوری فروری ۱۹۴۳ء ص ۸۳-۸۶)

جب پتہ چلا کہ اس جم غفیر کو چھیڑ کر میں نے اچھا نہیں کیا، تب اپنے معاون طفیل صاحب سے کہلوایا:-

" وکلاء مثیل امام ابوحنیفہ و امام محمد و امام یوسف ہیں۔ جمہوریت ان کے دم سے قائم ہے "

(طفیل احمد ۱۸ مارچ ۱۹۶۷ء ۔ بار کونسل ساہیوال)

جن دنوں سستے انصاف کا ذکر ہو رہا تھا۔ میں نے ایک وکیل دوست سے دریافت کیا معاملہ کیا ہے۔ انصاف کتنا سستا ہوا ؟ پہلے کیا بھاؤ تھا۔ اب کیا بھاؤ ہے۔ آپ لوگوں کی فیس پہلے سے آدھی کر دی گئی ہے یا کورٹ فیس میں کمی واقع ہوئی ہے۔ اس نے بتایا کہ نہ تو ہماری کوئی مقررہ فیس تھی نہ اس میں کمی واقع ہوئی ہے نہ کورٹ فیس میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے۔ نہ ہی کسی قسم کی ہدایات ملی ہیں۔ بس الفاظ ہیں دل خوش کرنے کے آپ بھی سنیں۔ ہم بھی سن رہے ہیں۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے جوتے والا سیل لگا دیتا ہے دو سو روپے والے جوتے کے ساتھ لکھ دیتا ہے پرانی قیمت ۲۵۰ روپے، نئی قیمت ۲۰۰ روپے۔ معاملہ وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ دوکاندار کو پورے پیسے مل جاتے ہیں اور گاہک خوش۔ وہ سمجھتا ہے مجھے اڑھائی سَو کا جوتا دوسو میں مِلا۔

ایکٹ (۴) میں کہا گیا ہے کہ اس ایکٹ میں شامل کوئی امر غیر مسلموں کے شخصی قوانین پر اثر انداز نہ ہوگا۔

عرب ممالک میں یہ بات نہیں۔ اگر کورین، فلپینی، تھائی وغیرہ کے پرسنل لاء میں کتوں کا ذبیحہ جائز ہے تو یہ مقامی قوانین سے ٹکراتا ہے لہٰذا ساکت ہے۔ اسی طرح کوئی انگریز وغیرہ شراب درآمد نہیں کرسکتا۔ پرسنل لاء کچھ بھی ہوں مقامی قوانین کا اتباع لازم ہوتا ہے ستی ہندوؤں کی ایک رسم ہے کافی عرصہ یہ متروک رہی مگر پچھلے دنوں اس رسم کا احیاء کیا گیا۔ راجستھان میں ایک مرے شوہر کے ساتھ زندہ بیوی کو جلا دیا گیا یہ ان کا پرسنل لاء ہے۔ کیا پاکستانی ہندوؤں کو اس رسم کی ادائیگی کی اجازت ہوگی یعنی زندہ انسان کو جلایا جائے گا اور ہم دیکھتے رہیں گے کیونکہ یہ ان کا شخصی قانون ہے اور ان کے شخصی قوانین پر ہم اثر انداز نہیں ہوں گے۔ حالانکہ یہ برائی ہے قتل ہے اور ہمیں حکم ہے کہ:-

تم بہترین امت ہو جو نوعِ انسان کی بہبود کیلئے وجود میں لائی گئی ہے۔ تمہارا فریضہ ہے۔ بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ (۳/۱۰۹، ۹/۱۱۲)

یعنی ہمارا فریضہ صرف یہی نہیں کہ ہم برائی سے دُور رہیں اور اچھائیاں کریں۔ بلکہ دوسروں کو بھی برائی سے روکیں اور اچھائی کی ترغیب دیں۔

الآخر اس بات پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں کہ خالقِ کائنات نے فرمایا :-

"جو قرآن میں نہیں اسے شریعت بنانے والے خدا کے شریک ہیں" (۴۲/۲۱)

آفت زدگان - کویت

کویت واپس جانے کے خواہش مند اراکین بزم اپنے کاغذات اور کوائف فوری طور پر ادارہ میں جمع کروائیں

عبید الرحمان نمائندہ بزم کویت

ملک حنیف وجدانی

سیاسی پارٹیاں

سیاسی پارٹیوں کے وجود کو خلافِ قرآن قرار دینے کے لیے راولپنڈی سے جناب عبدالرزاق صاحب کی درخواست وفاقی شرعی عدالت میں ابھی تک زیرِ سماعت ہے۔ طلوعِ اسلام نے اپنی اکتوبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں جناب عادل صاحب کے ۲۱ سوالات، جو انہوں نے وفاقی شرعی عدالت کے سامنے پیش کئے تھے۔ شائع کرتے ہوئے قارئینِ طلوعِ اسلام کو دعوتِ فکر دی تھی۔ جس کے جواب میں مری سے ملک حنیف وجدانی صاحب کے جوابات موصول ہوئے ہیں جو دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے شاملِ اشاعت ہیں۔

سوال:۔ ارکان الدّین

ا۔ کلمہ طیبہ، ب۔ نماز (اجتماعاتِ الصّلوٰۃ)، ج۔ روزہ، د۔ زکوٰۃ، ہ۔ حج کا اسلامی نظام کے قیام اور استحکام میں کیا کردار ہے اور یہ کہ موجودہ صورت اس عظیم کردار کو کس حد تک پورا کرتی ہے؟

جواب: متن قرآن کریم سے یکجا کسی طرح ثابت نہیں کہ "الدّین" یہی پانچ ارکان ہیں اور ان کے علاوہ حرام و حلال، اخلاقِ حسنہ، مساوات، مشاورت اور مستقل اقدارِ زیست کی کوئی اہمیت نہیں ہے یا اَلْاَمْرُ حَقِّ لِلّٰہ اور عدل و احسان کا مرتبہ کچھ کم ہے۔ نظامِ تعلیم و تربیت بھی دراصل اسلامی نظام کے قیام کا انتہائی بنیادی عنصر ہے۔ جس پر پوری توجہ نہ دینے سے ہمیں یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔ ایک صاحب.... جن کا نام مجھے یاد نہیں آرہا۔ اخبار میں لکھا تھا کہ جب تک پانچ بنائے اسلام کے ساتھ چھٹی نئی بنیاد

فریضۂ علم کو شامل نہیں کیا جائے گا مسلمانوں کی تقدیر نہیں بدل سکتی۔

بہرحال دین کی بنیادیہ پانچ ارکان ہوں یا اس سے زیادہ ہی اہمیت کا کوئی پروگرام! ہمیں ان کی موجودہ حیثیت اور قرآنی اہمیت کا جائزہ لینا پڑے گا تاکہ ماضی کے احترام کو مستقبل کی منصوبہ بندی سے پیوست کر کے حال کو روشن کرنے کا پروگرام ترتیب دیا جائے۔ اس کے بغیر ہماری موجودہ روش تقلید اور تقدیر پرشاکر رہنے کی جمود آمیز ناکام کوشش ہے۔ جس پر شاید ہم زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکیں اور حرکت و حرارت کی طرح مجبوراً ہمیں آنا ہی پڑے لہٰذا پہلے ہم عرفِ عام کے "اَرکان الدّین" کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ کلمہ طیبہ۔ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"

کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں۔

I۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (۴۷/۱۹)۔ توحید

II۔ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (۳/۱۴۴)۔ رسالت۔

۲۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (۴۸/۲۹)۔

۳۔ بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ (۴۷/۲)

۴۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط (۳۳/۴۰)۔

رسالتِ مُحمّدیہ کے یہ چار حوالہ جات حضورؐ کے اسمِ گرامی کے ساتھ ہیں اس کے علاوہ انتؐ۔ کؐ کے بے شمار حوالہ جات پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے میں درج نہیں کر رہا۔

کلمہ طیبہ کا استعمال:۔ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے مسلمان معاشرہ میں اس کا پڑھا جانا عام ہے جو اچھی روایت ہے۔ جب کسی پر شک کیا جانے لگے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تم کلمہ طیبہ پڑھ کر کہو کہ تم سچ کہتے ہو، یہ قسم کے لئے ہوتا ہے اور بعض اوقات جاہل معاشرہ میں یہ استعمال کرنے والا خود تضحیک کا نشانہ بن جاتا ہے۔ جس سے کلمہ طیبہ کی اعزازی اور ایمانی حیثیت مجروح ہوتی ہے جس سے بچنے کی تعلیم و تربیت کرنا معاشرے کے باشعور افراد اور علماء و مشائخ پر فرض عاید ہوتا ہے۔

ایک نئی صورت اس عہد میں یہ پیدا ہوئی ہے کہ وہابی، بریلوی جھگڑے نے یا اللّٰہ۔ یا محمدؐ

کا طریقہ رائج کر دیا ہے. جگہ جگہ ماٹو، کتبے، چارٹ، کتابت کے نادر نمونے یا اللہ، یا محمدؐ کی صورت نظر آتے ہیں اور اصل چیز یعنی "مکمل کلمہ طیبہ" نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے.

ایک مجلس میں تند و تیز بحث جاری تھی. اتفاق سے میں بھی وہاں جا پہنچا تو میں نے کہا کہ آپ اس بحث میں نہ پڑیں آپ پورا کلمہ طیبہ لکھ کر گھر میں آویزاں کریں. اس سے زیادہ برکت و ثواب کا امکان ہے. اور پھر اس پر کچھ روشنی بھی ڈالی.

کہنے کا مقصد یہ ہے "لَآ اِلٰهَ" کے منفی اور اس پر مجاہدانہ پہلو کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے. اس کے ساتھ "اِلَّا اللّٰهُ" کی ثباتی توثیق کو فراموش کر دیا جاتا ہے اور صرف "یَا اللّٰه" پر اکتفا کر لیا جاتا ہے. یہ کلمہ طیبہ کو مختصر کرنے کی ایسی کوشش ہے جس کا سدّباب میرے خیال میں ضروری ہوگیا ہے اور پھر جہاں تک "کلمہ طیبہ" کے دوسرے اہم ترین، قابلِ احترام اور حضورؐ نبی اکرم کی رسالت اور ختمِ نبوت کا چار دانگ عالم میں اعلان کرنے کے لئے عظیم تعلیمی و تبلیغی اور اشاعتی نظام پر ہمارا فریضہ بنتا تھا، اس کو فراموش کرکے ہم صرف "یا مُحَمَّدُ" کی بحث میں گرفتار ہو کر رہ گئے ہیں

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا محمدؐ" سے کہیں نہیں پکارا. صفاتی نام سے پکارا گیا ہے.

حضورؐ کے ذاتی نام پر ایک سورۃ "مُحَمَّدُ" ہے جبکہ دو صفاتی نام پر دو سورتیں موجود ہیں. جن میں "یا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے.

يَآاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (۷۳/۱)
يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۷۴/۱)

ان حالات میں میری رائے یہی ہے کہ ہمیں قرآنی اندازِ بیان اختیار کرنا چاہیئے. "کلمہ طیبہ" کے چارٹ ماٹو، تحریریں گھر میں رکھنی چاہئیں اور (۷۳/۱، ۷۴/۱) کے ماٹو، چارٹ اور تحریروں کو رواج دینا چاہیئے یہی قرآنی انداز بیان زیادہ پائیدار ثابت ہوگا. اس میں کلمہ طیبہ کے جلالی و جمالی پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہوں جو میں فکرِ اقبالؒ سے لے رہا ہوں جن کا کہنا ہے.

؎ شکست کشتیٔ ادراک مرشدانِ کہن
خوشا کسے کہ بدریا سفینہ ساخت مرا

توحید

اہل حق را رمز توحید از براست
در اٰتِی الرّحمٰنِ عبدًا مضمر است

تازا اسرارِ تو بنماید ترا امتحانش از عمل باید ترا
دیں ازو، حکمت ازو، آئیں ازو زور ازو، قوت ازدو تمکیں ازو
عالماں را جلوہ اش حیرت دید عاشقاں را بر عمل قدرت دید

(ص۹۱۔ کلیات اقبال فارسی)

روح با حق زندہ و پائندہ ایست ورنہ ایں را مردہ آں را زندہ ایست
آنکہ حیٌ لا یموت آمد حق است زیستن با حق حیاتِ مطلق است
ہر کہ بے حق زیست جز مردار نیست اگرچہ کس در ماتمِ او زار نیست

(ص ۵۸۳)

درس او اللہ بس باقی ہوس تا نیفتد مردِ حق در بندِ کس

(صفحہ ۸۰۸)

نکتہ ٔ می گویم از مردانِ حال امتاں را لا جلال اِلاّ جمال
لا و اِلاّ احتساب کائنات لا و اِلاّ فتح بابِ کائنات
ہر دو تقدیر جہان کاف و نون حرکت از لا زاید از اِلاّ سکوں
تا نہ رمز لاَ اِلٰہ آید بدست بندِ غیر اللہ را نتواں شکست
در جہان آغاز کار از حرف لاست ایں نخستیں منزلِ مردِ خداست
پیش غیر اللہ لا گفتن حیات تازہ از ھنگامۂ او کائنات

(صفحہ ۸۱۳)

روس را قلب و جگر گردیدہ خوں از ضمیرش حرف لا آمد بروں
آں نظامِ کہنہ را برہم زداست تیز نیشے بر رگِ عالم زداست
کردہ ام اندر مقاماتش نگہ لا سلاطیں لا کلیسا، لاَ اِلٰہ
فکرِ او در تندِ بادِ لا بماند مرکبِ خود را سوئے اِلاّ نراند
در مقام لا نیاساید حیات سوئے اِلاّ می خرامد کائنات

(صفحہ ۸۱۵)

افسوس کہ آج جب روس لا کی منزل سے نکل کر اِلاّ کی طرف آیا تو پھر اس کو مغرب کے جمہوری نظام کی طرف جانا پڑا۔ دنیا کا کوئی مردِ خدا، کوئی مردِ قلندر، کوئی حکمران، کوئی عالم، آج اس پوزیشن میں نہیں کہ

اس کے سامنے اسلام پیش کرسکے، قرآن کا جلوہ دکھاسکے اور روس کے موجودہ تذبذب سے فائدہ اٹھاکر اس کو اسلام سے روشناس کراسکے۔

جناب علامہ اقبالؒ اور جناب غلام احمد پرویزؒ کے بعد پاکستان کا میدان تو خالی ہی نظر آتا ہے رہ رہ کر جس شخص پر نظر پڑ سکتی ہے۔ وہ ایک اسکالر ہیں۔

”ڈاکٹر سید عبدالودود“

اگر وہ کچھ کرسکیں تو شاید! ملتِ اسلامیہ کے محسن بن جائیں۔

دوسرے شخص ہیں ”ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ“۔ عدالتِ عالیہ ان کو اہمیت دے۔

اب ہم اُردو زبان سے یہی تصور سامنے لاتا ہے۔

خودی کا سرِ نہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ — خودی ہے تیغ فساں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے — صنم کدہ ہے جہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں — مجھے ہے حکم اذاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

(کلیاتِ اقبال اُردو، ۴۷۸-۴۷۷)

اور آخر میں حضرت علامہ اقبالؒ کے اس شعر پر بھی ایک نظر ڈالی جائے جس کو میں سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔

لَا اِلٰہ گوئی؟ بگو از روئے جاں — تا ز اندامِ تو آید بوئے جاں

(کلیاتِ فارسی، ص ۴۶)

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کلمہ طیبہ کے حصہ اوّل

”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ“

کی تہذیبی حیثیت کیا ہے۔ اس کی جو ناقدری ہم کر رہے ہیں اسی کی سزا کاٹ رہے ہیں۔

اب ہم دوسرے حصہ ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ“ کی طرف آتے ہیں۔

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید — وز رسالت در تنِ ما جاں دمید
حرفِ بے صوت اندریں عالم بدیم — از رسالت مصرعِ موزوں شدیم
از رسالت در جہاں تکوینِ ما — از رسالت دینِ ما آئینِ ما
ما زِ حکمِ نسبتِ او ملتیم — اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم
فرد از حق، ملت از وے زندہ است — از شعاعِ مہرِ او تابندہ است

از رسالت ہم نوا گشتیم ما — ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما
رونق از ما محفل ایام را — او رسل را ختم و ما اقوام را
قوم را سرمایۂ قوتِ ازو — حفظِ سرِ وحدتِ ملت ازو"

کلیاتِ اقبال (فارسی) صہ ۱۰۲۔۱۰۱)

اب آپ اندازہ فرمایئے کہ ہمارا کیا مقام تھا اور ہم کس بحث میں پڑ گئے ہیں۔ کلمہ طیبہ اور اس کے فلسفہ کو چھوڑ کر یا اللہ، یا محمدؐ کے مختصر ماٹو پر جھگڑ رہے ہیں۔

ے چنیں دُور آسماں کم دیدہ باشد

غالباً یہی وجہ تھی کہ اقبالؒ حضور رسالت مآبؐ عرض کرتے ہیں۔

ے باپرستارانِ شب دارم ستیز — باز روغن در چراغ من بریز
(صفحہ ۸۴۷)

اور اپنی شدید آرزو کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

"خشک گرداں بادۂ انگورِ من — زہر ریز اندر مئے کافورِ من
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا — بے نصیب از بوسۂ کُن مرا
گر دُرِ اسرارِ قرآں سُفتہ ام — با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
در عمل پایندہ تر گرداں مرا
آبِ نیسانم گہر گرداں مرا" (صہ ۱۶۸)

گویا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا مقصد پوری ملت کو قرآن کی طرف دعوت دینا ہے۔ یہی ہر اِلٰہ سے ان کا اور یہی حضورؐ کا مقصد و مدعا بنتا ہے۔

نماز (اجتماعاتِ صلوٰۃ)

قرآنِ مجید اہلِ عرب کے لئے، عربی زبان میں نازل ہوا۔ قرآن کا تشریحی مواد ایرانی زبان فارسی کا اثر لئے ہوئے اسلامی ورثہ کے طور پر یہاں کے مسلمانوں کے پاس پہنچا۔ ان اصطلاحات میں بے شمار عربی کی جگہ، فارسی کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔ ان میں " نماز " بھی ایسا ہی لفظ ہے۔

قرآن کریم میں اس کے لئے " اقامتِ صلوٰۃ " کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اور آج یہ صرف

"نماز پڑھنا" تک محدود ہوکر رہ گیا ہے۔ "رُجعت اِلَی القرآن" کا تقاضا ہے کہ ہم صلوٰ
قیامِ صلوٰۃ کی اصطلاحات کو رواج دیں اور تصریفِ آیات سے قیامِ صلوٰۃ، نظامِ صلوٰۃ اور اسلامی نظ
میں اس کی اہمیت پر مسلسل غور کریں۔ مسلمان اسکالرز کو اس پر پی۔ ایچ۔ ڈی کرائیں اور اسلامی نظ
کے دھندلے نقوش کو مزید اجاگر اور واضح کرنے کی کوشش کریں۔ جب تک ہم خود اس پر ریسرچ
نہیں کریں گے، دوسروں کو کیسے دعوت دیں گے۔

نماز کی موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ کم تعلیمیافتہ مولوی حضرات قرآن کریم کی آخری مختصر دس
سورتیں زبانی یاد کر لیتے ہیں اور نماز میں انہی کا اعادہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ نماز تراویح میں بھی انہی
دس سورتوں پر اکتفا کر لیا جاتا ہے۔ باقی قرآن نہ پڑھا جاتا ہے اور نہ اس پر غور و فکر کی جاتی ہے
شہروں میں باقی قرآن سے بھی قرأت کی جاتی ہے۔ نماز تراویح میں حافظ حضرات پورا قرآن سُناتے
ہیں اور خاص کر آخری دنوں میں، ۲۷ دیں سے شروع کر کے محفل شبینہ میں پورا قرآن سنایا جاتا ہے
(یہ الگ بات ہے کہ سننے والے کیا سمجھ سکتے ہیں)۔

قرآن عربی میں ہے اور ہمارے ہاں اپنی زبان میں تعلیم کی اوسط ۲۷٪ ہے۔ اب آپ تحقیق کے
تین گوشوارے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ نمازیوں کی تعداد	تعلیمیافتہ	عربی جاننے والے	ان پڑھ
۵۰	۱۶	۲	۳۲

۲۔ نمازیوں کی تعداد	نماز باترجمہ جاننے والے	با ترجمہ نہ جاننے والے
۴۳	۸	۳۵

۳۔ نمازیوں کی تعداد	پابندِ نماز	غیر پابندِ نماز
۲۵	۱۱	۱۴

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہماری موجودہ نمازیں وہ نتائج پیدا نہیں کر سکتیں جو قرآن کا منشا
ہے لیکن ہم نمازوں میں انفرادی ردّ و بدل کی اجازت دینے کے خلاف ہیں کیونکہ اس سے
نئے نئے فرقے پیدا ہوں گے۔ اس وقت تک جو کوئی جیسے نماز پڑھتا ہے اسے پڑھتے رہنا چاہیئے
البتہ تحقیق میں پیش رفت کرنی چاہیئے۔ مثلاً

۱۔ قرآن میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کا یکجا ہونا۔ (۲/۴۳، ۲/۸۳، ۲/۱۱۰)

۲۔ قرآن میں صلوٰۃ و انفاق رزق کا یکجا ہونا۔ (۳/۲، ۹/۵۴، ۱۳/۲۲)

۳۔ قرآن میں صلوٰۃ اور تمسک بالکتاب کا یکجا ہونا۔ (۷/۱۷۰)۔
۴۔ قرآن میں صلوٰۃ برائے ذکر۔ (۲۰/۱۴)
۵۔ قرآن میں صلوٰۃ برائے تزکیہ۔ (۳۵/۱۸)۔
۶۔ قرآن میں صلوٰۃ اور مشاورت۔ (۴۲/۳۸)
۷۔ قرآن میں صلوٰۃ اور معیارِ ذہن و حافظہ (۴/۴۳)۔

(قرآن میں لفظ الصّلوٰۃ ۶۷ بار، مُصَلّیٰ ایک بار، مُصلّین ۳ بار، صَلَوات ایک بار، صَلَوٰتِ دو بار، یُصَلِّیَ ایک بار، صَلَاتِہِم ۴ بار، صَلِّ فَصَلِّ دو بار، یُصَلّوا ایک بار، صَلَاتَہ ایک بار استعمال ہوا۔ اس جیسے الفاظ کی تعداد صرف ۹۱ ہے)

جہاں تک "الصّلوٰۃ" کے مرکز کا تعلق ہے۔ بیت اللہ شریف، مسجد الحرام اور دنیا بھر کی مساجد اس کے لئے مختص ہیں

اب ہم مساجد اور نماز کا جائزہ لیتے ہیں۔

دیہات میں مساجد کچی، خستہ حال اور پرانے طرز کی ہیں۔ جو لوگ خود اپنی مدد آپ کے تحت ان کو بناتے ہیں۔ ان غریبوں کو بڑی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس سے دیہات کے غریب عوام کی اسلام دوستی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اگر ان کے اس جذبہ کو تعمیری طور پر استعمال کیا جائے تو کتنا مفید ہو سکتا ہے۔

مساجد پر عموماً فرقہ واریت کا قبضہ ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو جو میرے نانا جان مرحوم نے خود سنائی تھی۔

"میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں داخل ہوا اور باوضو ہونے کی وجہ سے کھڑا ہو کر نماز شروع کی۔ ایک صاحب آئے۔ میرے ہاتھ جو زیر ناف بندھے تھے نماز ہی کی حالت میں کھولے، سینے پر باندھے اور کہا اس طرح نماز پڑھو!

دوسری جگہ ایک بار نماز پڑھنے لگا تو ہاتھ بندھے تھے۔ ایک صاحب نے میرے ہاتھ کھول دئے اور کہا یوں نماز پڑھو۔ میں نے ہاتھ سر پر باندھ لئے اور نماز پڑھنے لگا۔ لوگ جمع ہو گئے اور کہنے لگے دیکھو، نیا فرقہ آ گیا۔ ہاتھ سر پر باندھ کر نماز پڑھتا ہے۔ چلو مسجد سے باہر نکلو! میں نے کہا کہ آپ لوگ نہ زیر ناف باندھ کر پڑھنے پر متفق ہیں نہ سینے پر، نہ کھول کر، نہ سر پر باندھ کر پڑھنے دیتے ہیں۔ آخر مساجد پر

فرقہ بندیوں کا اتنا کنٹرول کیوں ہے کہ آپ رکوع و سجود سے بھی روک رہے ہیں۔"

نماز جمعہ اور مساجد

نماز جمعہ اور مساجد کی اہمیت، تربیت، درس قرآن، تزکیہ نفس، مشاورت وغیرہ پر اظہارِ خیال سے پہلے ضروری ہوگا کہ اس موضوع پر اشتہار شائع کرانے والی ایک شخصیت کا تعارف کرایا جائے وہ شخصیت ہیں لاہور کے غلام محمد صاحب، جن کا پورا پتہ اشتہار میں بھی درج ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

اشتہار بحوالہ جنگ راولپنڈی، ۲۷ نومبر ۱۹۷۵ء

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حضرت عمرؓ کا جمعہ اور حضرت علیؓ کا جمعہ۔

جن کو 'اللہ' اے ایمان والو! پکارتا ہے۔ وہ کم از کم تین چیزوں کی حقیقت سے ضرور واقف ہوتے ہیں (۱) حقیقی امامت (۲) حقیقی مساجد اور (۳) حقیقی ملت (جماعت اور دستور) جعلی ایمان والوں کی امامت بھی غیر حقیقی ہوتی ہے۔ مساجد بھی غیر حقیقی ہوتی ہیں۔

میں ایک ہوٹل میں بیٹھا تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ تم حضرت عمرؓ کا جمعہ چاہتے ہو، یا حضرت علیؓ کا۔ میں نے اس شخص سے کہا۔" میں تو اُسوہ حسنہ کا جمعہ چاہتا ہوں کیونکہ اُسوہ حسنہ کو ہی سب سے اونچا رکھنا ہے۔" میں نے اس سے یہ بھی کہا۔ مسلمان آج کے ہوں یا دو ہزار برس بعد کے، سب کے لئے اُسوہ حسنہ کی پیروی لازم قرار دی جا چکی ہے اور اُسوہ حسنہ سے مملکت اسلامیہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ پاکستان کا ملک بھی اسوہ حسنہ (یعنی اسلام) کے نام پر حاصل کیا ہے اور حکومت بھی کہتی ہے" اسلام ہمارا دین ہے" مگر آج کے جمعہ ادا کرنے والے سرکاری حکام بھی اور عام لوگ بھی جمعہ کو آزاد رکھنے کی بجائے جمعہ کو غلام رکھے ہوئے ہیں۔ جمعہ حکومتی ہو تو جمعہ آزاد ہوتا ہے۔ اسوہ حسنہ کا جمعہ تو قرآن حکیم میں حکومتی اور آزاد نظر آرہا ہے۔

جو لوگ اسلام کی بتائی ہوئی اجتماعی زندگی میں ایسا طریق عمل اختیار کرتے ہوں جو اسوہ حسنہ کے فیصلے کو نیچا دکھانے والا ہو، وہ منافق ہوتے ہیں۔ منافقت کفر اور شرک بلکہ ہر گناہ سے زیادہ بدتر اور سنگین گناہ ہے۔ مگر پاکستان میں منافقت کو تو سنگین جرم نہیں سمجھا جاتا جبکہ شراب نوشی اور بدکاری جیسے انفرادی جرائم کو سنگین سمجھا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں پاکستان کیسے بچے گا؟ صلوٰۃ جمعہ کے قومی اجتماعی معاملے میں اسوہ حسنہ کے فیصلے کو نیچا دکھانا شراب نوشی اور بدکاری سے زیادہ سنگین جرم ہے۔

مسلمان قوم اور حکومت دونوں پر اسوۂ حسنہ کی پیروی لازم ہے۔ جب تک جمعہ حکومتی نہ ہو "اسلام ہمارا دین ہے" کہنے والی حکومت اور مسلمان شہری دونوں ہی اسوہ حسنہ کی خلاف ورزی کرتے رہیں گے۔ جمعہ آزاد اور مقتدر ہو تو مکمل دین بھی آزاد اور مقتدر ہوتا ہے (یعنی نافذ رہتا ہے) اور ایمان والے بھی آزاد اور غالب ہوتے ہیں۔

ایمان والے اور دین اسلام دونوں آزاد اور غالب تب ہی ہوتے ہیں جب جمعہ پر مولوی منافق امامت کی بجائے حکام کی حقیقی اور مطلوبہ امامت لائی جائے۔ مولوی کی امامت منافق اس لئے ہے کہ یہ ایمان والوں کے دین اور دنیا کو (جو درحقیقت ایک دینی وحدت ہے) پھاڑ کر دو الگ الگ چیزیں بنا دیتی ہے۔ جب کہ حکام کی امامت، دین اور دنیا کو ایک دینی وحدت رکھتی ہے جیسا کہ وہ حسنہ میں صاف ایک دینی وحدت نظر آتی ہے۔ صلوٰۃ کی غیر حکومتی سے کرسئ امامت پر غیر اللہ کا دستور آجاتا ہے۔ جس سے مسلمان منافق بن جاتے ہیں۔ اور ایمان والوں پر اسوہ حسنہ کے مطابق صرف ایک ہی امامت ہونی چاہیئے اور وہ امامت حکام کی ہے مگر آج مسلمانوں پر دو امامتیں ہیں۔ ایک مولوی کی منافق امامت ہے جو صلوٰۃ اور مسجد کو ناجائز طور پر قبضے میں لئے ہوئے ہے دکھاوے میں اُسوۂ حسنہ کی ہمدرد بنتی ہے اور حقیقت میں اُسوۂ حسنہ کی دشمن ہے، اور ایک حکام کی امامت ہے جو صرف امورِ ملکی پر مشتمل ہے اور صلوٰۃ اور مسجد سے ناجائز طور پر بری الذمہ رہتی ہے۔ حالانکہ صلوٰۃ جمعہ ہی مکمل دین کی یعنی دستور اسلام کی قومی اسمبلی ہے۔ مولوی امام حکام کے نقص بڑھ چڑھ کر بیان کرتا ہے اور اپنی جعلی اور منافق امامت کا کبھی اقرار نہیں کرتا، جو بڑے سے بڑے گناہ سے بھی بُری شے ہے۔ جس کی وجہ سے پوری ملت میں اسلام نافذ ہو رہا۔ مولوی امام اپنی منافق امامت پر پردہ ڈالنے کے لئے کہتا ہے۔ پہلے سارا اسلام نافذ ہو لے۔ پھر میں حکام کے حوالے امامت کر دوں گا تاکہ نہ سارا اسلام نافذ نہ ہو نہ اس کی منافق امامت ختم ہو۔ جو حکومت صوبائی تعصب کو برداشت نہیں کرتی (نہ ہی اسے برداشت کرنا چاہیئے) وہ حکومت فرقہ بندی اور فرقوں کی منافقانہ امامت کو کیوں ہنس ہنس نہیں کرتی۔ فرقوں کے قائم رہنے سے ہی صوبائی تعصب بھی اُبھرے ہیں کیونکہ تفریق کا دروازہ کھلا ہے۔

نوٹ:۔ حالیہ عید الفطر کے موقع پر اسلامی ملکوں کے سفیران کرام متعینہ دیت نام نے پاکستانی سفیر اشفاق احمد خان کے پیچھے نماز عید ادا کی۔ گویا مسلمان ملکوں نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے پیچھے نماز عید ادا کی۔

(امروز ملتان ۱۶/۱۱/۷۵، روزنامہ جنگ ۲۷ نومبر ۷۵ء)

غلام محمد، مکان ۸ کوچہ محمد آباد، تیزاب احاطہ لاہور ۲۹"

یہ ہے نماز جمعہ اور مسجد، جمعہ حضرت عمرؓ اور جمعہ حضرت علیؓ اور جمعہ اسوۂ حسنہ کا ایک تصور!

محترم غلام محمد صاحب اس کے بعد بھی خاموش نہیں رہے۔ اپنے اشتہارات دیتے رہتے ہیں مثلاً، روزنامہ سعادت لاہور میں ۹/۱/۸۶ کو لکھتے ہیں

(۱) "جمعہ پر جمعہ گزرتا جا رہا ہے۔ جمعہ پر سے ابھی تک مولوی کی منافق امامت کو نہیں ہٹایا گیا" "میرے الزام پر سب نمازی مجھ پر قانونی کارروائی نہیں کر رہے جبکہ سب نمازیوں کو حکم ہے کہ کل کا کام آج کرو"

(۲) "میری آواز قرآن وسنت کے خلاف ہے تو اسے حکومت کچل دے۔ نہیں خلاف تو حکومت میری آواز کو بڑا کرنے میں تعاون کرے"

(روزنامہ سعادت لاہور ۲۲/۱/۸۶)

(۳) "دین مکمل ہے۔ جب سے ملک ملا۔ مسجد ضرار کی آواز بڑھتی گئی اور میری آواز چھوٹی کر دی گئی"

(روزنامہ آفتاب لاہور ۲۴/۱/۸۶)

(۴) "حقیقی مساجد وہ ہوتی ہیں جن مساجد سے قرآن وسنت کے مطابق دین اسلام کا نفاذ نظر آئے مسجد ضرار وہ ہوتی ہے جس سے دین اسلام کا نفاذ نظر آ ہی نہیں سکتا"

(روزنامہ سعادت لاہور ۲۶/۱/۸۶)

(۵) قرآن وسنت کہتی ہے کہ بے اختیار مسجد، مسجد ضرار ہوتی ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بے اختیار مسجد، مسجد ضرار میں داخل ہی نہیں ہوتے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قرآن وسنت کے مطابق دین اسلام کا نفاذ جن مساجد میں نظر آئے ان مساجد میں داخل ہوتے ہیں۔

اب تک حکومت نے نہ تو میری آواز کو کچلا ہے اور نہ ہی میری آواز کو بڑا کیا۔ غلط وسیلہ پکڑنے میں قوت نہیں ہوتی۔

جیسے کہ جمعہ پر مولوی کی منافق امامت وسیلہ بنی ہوئی ہے۔ ویسے ہی بتوں کو پوجنے والے بتوں کو وسیلہ پکڑے ہوئے ہیں۔" (روزنامہ سعادت لاہور ۲۷/۱/۸۶)

(۶) حکومت کو چاہیئے کہ خود وسیلہ بنے۔ حکومت مولوی کی منافق امامت کو وسیلہ نہ پکڑے تب دین اسلام کا نفاذ ہو گا۔" (روزنامہ آفتاب لاہور، ۲۹/۱/۸۶)

(۷) "اب تک حکومت نے جمعہ پر مولوی کی منافق امامت کو جس کا عمل قرآن وسنت کے خلاف جاری ہے۔ وسیلہ پکڑنا نہیں چھوڑا۔ زمانہ مرکز میں جمعہ پر مولوی کی منافق امامت جو قرآن وسنت کے خلاف عمل کر رہی ہے۔ اتنی ہی منافق ہے جتنی کہ مرکز کے زمانے میں تھی۔ مکمل دین کے ناکام ہونے کی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ حکومت نے جمعہ پر مولوی کی منافق امامت کو وسیلہ پکڑا ہوا ہے۔" (روزنامہ سعادت لاہور، ۳۱/۱/۸۹)

اس کے بعد لکھا ہے۔

"سنت کہتی ہے چوپایوں نے کبھی بھی قانونی کاروائی نہیں کی۔" (غلام محمد)

محترم غلام محمد صاحب کا تلخ، مجاہدانہ اور سچا جذبہ غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ میں عدالت سے استدعا کروں گا کہ وہ غلام محمد صاحب کو بذاتِ خود عدالت میں حاضر ہونے کا نوٹس دے اور ان سے مزید سوالات کر کے ایک ٹھوس موقف اختیار کرے تاکہ

۱۔ بتدریج مساجد کے نظام کو سرکاری تحویل میں لیا جائے۔

۲۔ مساجد میں درسِ قرآن کا بندوبست کیا جائے۔

۳۔ مساجد میں بیت القرآن قائم کئے جائیں۔

۴۔ مساجد کو صحیح معنوں میں مشاورت گاہ بنایا جائے

۵۔ نظامِ مساجد کے تحت آنے والی مساجد کی مرمتی اور امام کی تنخواہ کا اعلان کیا جائے تا بیروزگاری کے خاتمہ کے ساتھ مساجد کی حالت بھی بہتر ہو۔

۶۔ مساجد کو ایمان کی حرارت تازہ کرنے کا وسیلہ بنایا جائے۔

۷۔ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔ (۷۲/۱۸) ۲/۲۰۸۔

مساجد کو اس معیار پر لانے کے لئے جملہ وسائل انتظامی و مالی کو کام میں لایا جائے تاکہ کوئی طعنہ نہ دے سکے کہ

عجب این نیست کہ اعجازِ مسیحا داری
عجب این است کہ بیمارِ تو بیمار تر است (اقبالؒ)

قرآنی آبِ حیات سے اس کی شفا کا قوی امکان ہے ان شاء اللہ۔

محمد اشرف ظفر

تغیّرِ نفس

صاحب صدر! میری بہنوں اور بھائیو!

سلام و رحمت! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اس ہنگامہ خیز اور جانکاہ معاشی اور سیاسی دور میں حالت یہ ہو چکی ہے کہ

یزداں کے تصوّر میں تراشا جو صنم ہم نے
اس میں سے ابلیس کا پیکر نکلا

اور آج تو ابلیس کے ان پیکروں کی بہتات سے ہر شخص کی زبان ایک دوسرے یہ کہتے سنائی دیتی ہے کہ:

چہرے سجے سجے ہیں تو دل ہیں بجھے بجھے
ہر شخص میں تضاد ہے دن رات کی طرح

حاضرینِ کرام! انسان کی اس زبوں حالی اور متضاد کیفیت کے پیشِ نظر اس وقت سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس پیکرِ بشریّت میں وہ کون سی کمی اور کمزوری ہے کہ جس کے باعث یہ بندۂ صحرائی اور جنگ و جدال کا یہ شیدائی اس قدر مادی قوّت حاصل کرنے کے باوجود گیسوئے کائنات میں وہ رعنائی اور وہ دل کشی پیدا نہ کر سکا کہ جس دل کشی اور رعنائی کی نوید خالقِ کائنات نے ملائکہ کو سنائی تھی۔

مَیں اس موقع پر اس ادبی اور علمی محفل میں اپنی بساط کے مطابق اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ لہٰذا اس مختصر سے وقت میں مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے اس کا عنوان ہے "تغیّرِ نفس"

کہنے کو تو یہ صرف دو الفاظ ہیں لیکن حقیقت میں کرۂ ارض کی تقدیر اور نوعِ انسانی کی جنّتی اور جہنّمی زندگی کا تمام تر دارومدار انہی اور صرف انہی دو الفاظ کی حقیقت اور اصلیّت کو پا لینے اور جان لینے پر ہی موقوف ہے۔ کیونکہ جس قسم کا یہ تغیّرِ نفس ہو گا۔ اسی قسم کی صلاحیّتیں انسان میں جنم لیں گی اور پھر انہی صلاحیتوں کے بل بوتے پر اسی قسم کے مقاصد کی تکمیل انسان کی منزل قرار پائے گی۔ بالفاظِ دیگر اگر انسانی صلاحیتوں کی بنیاد تغیّرِ نفس پر ہے تو تغیّرِ نفس کی بنیاد ان جذبات پر ہے جسے قرآن حکیم نے قلب کہہ کر پکارا ہے۔

میں اب سمجھا کہ دنیا کچھ نہیں دنیا مرا دل ہے
بدل جانے سے اس کے رنگ ہر اک چیز کا بدلا

اسی بنیادی حقیقت کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے ایک شاعر نے کہا تھا کہ :۔

نہ تم بدلے نہ دل بدلا، دل کی آرزو بدلی
میں کیسے اعتبارِ انقلابِ آسماں کرلوں

لیکن حاضرینِ کرام یہاں پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقاصد کی بنیاد اگر یہ جذبات پر ہے تو پھر ان جذبات کی، اس دل کی، اس قلب کی، اس MIND کی اور اس تغیرِ نفس کی وہ کونسی بنیاد اور ہیئت ہے کہ جس پر انسان کی معاشرتی اور تمدنی عمارت استوار ہوتی ہے اور اگر اس بنیاد کی طرف توجہ نہ دی جائے تو پھر انسان کی ہزار سالہ کوشش بھی انسان کے تمدنی نقشہ میں کسی قسم کی خوبصورتی پیدا نہیں کر سکتی۔

لہٰذا اس سوال کا جواب حاصل کرنے کیلئے اگر قرآن کریم میں غوطہ زن ہوا جائے تو ——— وہاں سے اس کا جواب ہمیں دو قسم کی متضاد انسانی نفسیات پر مبنی شکل میں ملے گا جسے خالقِ کائنات نے ایک۔ طرف لالچ، حسد، بغض عناد، خوشامد، تعصب، بزدلی، پژمردگی، خود پسندی، خود فریبی اور خود نمائی وغیرہ کے نام سے پکارا ہے اور جن کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے کہ اگر ان تمام نفسیاتی بیماریوں کا علاج قرآن کریم کے نسخۂ کیمیا کے مطابق کر دیا جائے تو پھر انسان نفسیاتی اور عملی طور پر ایثار و قربانی، جفاکشی و مردانگی، بردباری و بلند ہمتی، فیاضی و فراخدلی، خوش خلقی، جہاں بینی و جہاں بانی کی زندہ تصویر بن جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان کے جسم و جان کا یہ پیکر ایک آدمِ نو کی شکل میں، ایک جہانِ نو کی طرف بڑھتا جاتا ہے کہ جس جہانِ نو میں نہ کسی قسم کا خوف ہوتا ہے اور نہ ہی ان دیکھا ڈر۔

آج پورے کرۂ ارض نے جو دہکتے ہوئے انگارے کی شکل اختیار کر رکھی ہے تو اس کی بنیادی وجہ انسان کی مخلوط نفسیاتی بیماریوں کا ہی پھیلاؤ ہے۔ جن کو قرآن کریم نے دل کا روگ کہہ کر پکارا ہے۔ اس مختصر سے وقت میں تفصیل میں جائے بغیر میں یہاں صرف ایک ہی نفسیاتی بیماری کے محرکات کا ذکر کر سکوں گا اور وہ ہے "انسان کی خود نمائی کا جذبہ" یہ وہ مہلک بیماری ہے کہ جسے انسان اپنی زندگی کے بعد بھی بڑھتا اور پھولتا دیکھنا چاہتا ہے، خواہ اس کی خود نمائی کی یہ حسرت کتنی نسلوں کا خون ہی کیوں نہ کر دے۔ جب کہ اس قسم کی ذہنیت رکھنے والوں کے متعلق ارشادِ ربانی ہے :۔

"ہم اپنے قوانین کے زور سے ان تمام لوگوں کو زندگی کی راہ سے ہٹا کر الگ کر دیں گے جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ نوعِ انسانی کے لئے ٹھوس تعمیری نتائج مرتب کئے بغیر دنیا میں کبریائی حاصل کر لیں" (۷/۴۹)

انسان کی خود نمائی کا یہی وہ جذبہ ہے کہ جس کے پیشِ نظر جناب پروفیسر نجیب نے کہا تھا کہ :۔

"گمنام رہنا بڑے جان جوکھوں کا کام ہے"

پروفیسر نجیب صاحب کے اس قول پر سول اینڈ ملٹری گزٹ کے سابق ڈپٹی ایڈیٹر جناب مولوی محمد سعید صاحب نے بڑا خوبصورت تبصرہ کیا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے اگر اسے یہاں پیش کر دیا جائے تو میرا خیال ہے کہ اس سے ہمیں پاکستان کی ۴۳ سالہ تاریخ کا ہی نہیں بلکہ بنی آدم کی تشیبی زندگی کی وجوہات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ جناب محمد سعید صاحب اس قول پر کہ ——— "گمنام رہنا بڑے جان جوکھوں کا کام ہے" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اس جملے پر زندگی میں جیسے جیسے غور کیا بڑی بڑی غریب پروریوں، طبل و چشم کی قہرسامانیوں اور جبہ و دستار کی فیض باریوں کے بھرم کھلتے گئے۔ ابدی شہرت پانے کیلئے انسان نے کیا کیا جتن نہیں کئے۔ تاریخ عالم اس ضمن میں بڑی لرزہ خیز داستانوں سے بھری پڑی ہے لیکن سب سے زیادہ مضحکہ خیز یا عبرت انگیز داستان مشرقی یورپ کے ایک نواب کے متعلق ہے۔ کہتے ہیں کہ مرض الموت میں جب اس پر نزع کا عالم طاری ہوا تو آخری دعاؤں کے لئے لاٹ پادری کو بلایا گیا پادری نے آتے ہی بڑے ادب سے پوچھا ——— "حضور کوئی ایسی تمنا جو حسرتکدۂ عالم میں ناتمام رہ گئی ہو؟" ——— نواب صاحب نے سرد آہ بھری اور کہا:

"مقدس باپ خداوند کا دیا بہت کچھ تھا۔ کوئی نعمت ایسی نہیں تھی کہ جس کی خواہش کی ہو اور وہ پوری نہ ہوئی ہو۔ البتہ ایک حسرت ایسی ہے جو گوشۂ لحد میں بھی چین نہیں لینے دے گی۔

اس کے بعد نواب نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:-

آپ کو یاد ہوگا کہ چند برس گذرے پاپائے روم اور شہنشاہ جرمنی بیک وقت میرے یہاں مقیم تھے اور میں انہیں قلعے کی سیر کراتے ہوئے اس برج کی جانب بھی لے گیا جو سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ ان دونوں نے منڈیر پر سے جھک کر نیچے گہری کھائی میں جھانکا۔ میں بپاس ادب ان کے پیچھے کھڑا تھا۔ مجھے یہ حسرت آج تک کھائے جا رہی ہے کہ میں نے انہیں پیچھے سے دھکا کیوں نہ دے دیا اور یوں اپنے لئے بقائے دوام کے دربار میں نشست محفوظ کیوں نہ کرالی!"

حاضرین کرام یہ ہے انسانی خودنمائی کی وہ نفسیاتی بیماری کہ جس نے نوعِ انسان کی تاریخ کو ایک دن بھی غسلِ خوں سے فراغت نہیں بخشی اور آج تو خلیج کی صورتِ حال اور ملتِ اسلامیہ کے باہمی روابط کی نوعیت اپنا ثبوت آپ ہے کہ جسے دیکھ کر ہر صاحبِ دردِ دل سوال کرتا دکھائی دیتا ہے کہ

چراغ کون یہاں آئے گا جلانے کو
کہ غسلِ خوں سے فرصت نہیں زمانے کو

میرا خیال ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کی موجودہ معاشرتی، سیاسی، تمدّنی، اقتصادی اور اعتقادی اور نظریاتی بدحالی کے پیشِ نظر علامہ اقبالؒ کی رُوح بڑی دلسوزی اور بے چینی کے ساتھ اپنی لحد سے یہ کہہ رہی ہوگی:

کیا حال پوچھتے ہو مرے کاروبار کا
آئینے بیچتا ہوں میں اندھوں کے شہر میں

برادرانِ عزیز! تغیرِ نفس کے سلسلہ میں سوال کسی ایک بیماری کا نہیں بلکہ ہر نفسیاتی بیماری کا ہے اور اس پر ہر آنے والے دور میں عالمی سطح پر ضخیم سے ضخیم تصانیف بھی مرتب ہونگی اور نفسیاتی بیماریوں کے تباہ کن نتائج کا بھرپور ذکر بھی ہوگا۔ لیکن جہاں تک ان مہلک امراض کے علاج کا تعلق ہے انسان کو بالآخر قرآنِ حکیم کے نسخۂ کیمیا کی ہی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور اسی کے در پر سرنگوں ہونا ہوگا کیونکہ یہی وہ واحد کتاب ہے کہ جس میں خالقِ کائنات نے ان تمام کا علاج تجویز کر رکھا ہے۔ تنہا عقلِ انسانی غلامی کے طریق تو وضع کر سکتی ہے لیکن احترامِ انسانیت کا قانون بنانے سے قاصر ہے اور اسی طرح عقلِ انسانی، انسانیت کو گروہوں، ذاتوں، فرقوں اور پارٹیوں میں تو تقسیم کر سکتی ہے لیکن ایک عالمگیر برادری کا تصور نہیں دے سکتی۔ یہی وہ عقل بے مایہ ہے کہ جس کے متعلق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

عقلِ بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

لہٰذا قرآنِ حکیم نے اس عقلِ بے مایہ کے لئے تغیرِ نفس کا بہترین اور آخری علاج صرف اور صرف یہ بتایا ہے کہ عقل کو یہ باور کرا دیا جائے کہ:

ہیرا بھی ہے دل تو پتھر ہے — یوں قدر کچھ ہوتی ہے
ہاں آنسو ہو کر جو بہہ نکلے — تو جو قطرہ ہے موتی ہے

لیکن اس قطرے کو گہر کرنے کیلئے نہایت ضروری ہے کہ یہ جان لیا جائے اور مان لیا جائے کہ صلاحیتیں اور نعمتیں صرف کی جاتی ہیں بیچی نہیں جاتیں۔ لیکن اب سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ آخر صلاحیتیں کیوں بیچی نہیں جا سکتیں تو اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ جب انسان اپنی صلاحیتوں کو دوسروں کے ہاتھوں فروخت کرنا شروع کر دیتا ہے تو پھر اسی کاروبار کے نتیجہ میں تو انسان میں لالچ، حسد، بغض، عناد، جھوٹ، فریب، شخصیت پرستی، مفاد خویشی اور مفاد خویشی کے بل بوتے پر سرمایہ پرستی، فرقہ پرستی، ملوکیت، فرعونیت، مذہبی پیشوائیت جیسے بیشمار جراثیم پرورش پاتے ہیں۔ اور جس کے تدارک کیلئے نہ پھر کوئی دوا کارگر ہوتی ہے اور نہ ہی دعا۔

صاحبِ صدر! اور حاضرینِ کرام! قدرت نے انسان کو خوب صورتی، صحت، توانائی، بات کو سمجھنے، سمجھانے اور سننے کا ملکہ۔ یہ ناک، یہ زبان، یہ آنکھیں، ان آنکھوں کی چمک اور بینائی۔ دن کا اجالا، رات کا سکون، چمکتا سورج

اور اس کی حرارت، روشن چاند اور اس کی ٹھنڈک، ٹمٹماتے ستارے، کھانے کو پھل، پینے کو پانی، لطف اندوز ہونے کیلئے قطار اندر قطار درخت، پرندوں کے چہچہاہٹ، فلک بوس پہاڑ یہ کہکشاں، یہ کتے، ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، اور ان کے بے شمار خزانے، یہ چشمے یہ ندی، یہ نالے، یہ آبشاریں یہ بادِ نسیم، یہ ہوائیں، یہ موسموں کا تغیر، یہ بادل، یہ گھٹا، یہ خلاء، یہ گھٹائیں، یہ بارش کے قطرے، فضائی لہروں کی تھرتھراہٹ، یہ صوت اور پھر اس میں پیدا ہونے والا گوہر تابدار، یہ باغ، یہ سبزہ زار، طرح طرح کے جانور اور آوازیں، اور ان کی چال۔ یہ ان گنت معدنیات حتیٰ کہ خاک کا ایک ایک ذرہ اور پھر ان سب کو استعمال کرنے کی قوت اور قدرت، یہ دماغ یہ سمجھ، یہ دانائی و ادراک الغرض یہ سب کا سب قدرت نے انسان کو بلا مزد و معاوضہ اس لئے تو عطا نہیں کیا تھا کہ النسان ان خداداد صلاحیتوں اور ان صلاحیتوں کے بل بوتے پر قدرت کی ان عطا کردہ ان گنت نعمتوں کو دوسروں کے ہاتھوں فروخت کرنا شروع کردے۔ جب کہ یہ تمام کی تمام نعمتیں اور یہ تمام کی تمام صلاحیتیں النسان کی پیدا کردہ ہی نہ ہوں۔ یہی وہ بنیادی تعلیم تھی جس کے تحت رسولِ خدا کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ جیسی شخصیات نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو ہمیشہ النسانیت کیلئے صرف تو کیا ہے لیکن انہیں بیچا نہیں اور اسی کا نام تغیرِ نفس ہے۔

اس تغیرِ نفس کے بعد کسی کو یہ فکر دامن گیر نہیں ہوتی کہ اسے نئی نسل کے متعلق یہ غم ستائے کہ:

کیوں دن کی تجلی پنہاں ہے کیوں روشن روشن رات نہیں
پھولوں کے سہانے برلب پر کیوں نغموں کی برسات نہیں

سچ تو یہ ہے کہ جس طرح النسانی علم بانٹنے اور صرف کرنے سے بڑھتا ہے بالکل اسی طرح النسانی صلاحیتیں بانٹنے اور صرف کرنے سے ہی بڑھتی اور پھولتی ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس ان نعمتوں میں کمی غیر محسوس طور پر اسی وقت شروع ہو جاتی ہے جب ان کو النسان انفرادی یا اجتماعی طور پر بیچنا شروع کردے۔ ان نعمائے خداوندی کو بیچنا ہی تو دوسروں کا استحصال کرنا ہے، خواہ اس استحصالی کاروبار کیلئے تسبیح کے ریشمی دھاگے کا ہی جال کیوں نہ بُنا گیا ہو۔

لہٰذا اس قسم کے تغیرِ نفس کیلئے النسان کی تمام نفسیاتی بیماریوں کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ النسان ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے کہ جہاں النسان اپنی نگاہ کو پہاڑ کی اس چوٹی پر مرکوز رکھے جس چوٹی کے مقامِ بلند کے حصول کیلئے اسے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اس طرح ذاتی کشور کشائی اور ذاتی سروری کے مقابلے میں شکوہِ ملک و دین کی اہمیت النسان کے سامنے کچھ اس طرح واضح تر انداز میں سامنے آجائے کہ النسانیت کے اس اجڑے ہوئے گلستان کی ایک ایک پژمردہ کلی اپنی زبان سے پکار اٹھے ؎

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

حاضرینِ کرام! ان تمام حقائق کے بعد فکرِ قرآنی کی روشنی میں نہایت مختصر لیکن اہم بات پیش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ انسان کو یہ مقامِ بلند بہت پہلے ہی نہیں بلکہ صدیوں پہلے مل چکا ہوتا کہ جس کے حصول کے لئے نوعِ انسانی کا ہر باشعور فرد آج اس قدر پریشان اور مضطرب دکھائی دیتا ہے۔ بشرطیکہ اس انسان نے قدم قدم پر نت نئی ٹیکنالوجی کے تحت مادیت پر ریسرچ کرنے سے پہلے قرآنِ حکیم کی روشنی میں انسانی نفسیات کو بنیاد بنا کر ــــ زندگی ــــ پر ریسرچ کی ہوتی اور اس طرح زندگی کی قدر و قیمت کو الوجہ البصیرت جان لیا ہوتا اور پہچان لیا ہوتا۔

بہرحال مجھے امیدِ واثق ہے فکرِ قرآنی کے ماحول میں پرورش پانے والی نئی نسلِ زندگی کے اس سفینۂ برگِ گل کو جو آج چاروں طرف سے طرح طرح کے بھنوروں میں پھنسا ہوا ہے ساحلِ مراد تک لے جائیگی۔

میرے عزیز ہمسفر دوستو! اس سلسلہ میں جہاں تک قندیلِ قرآنی اور سرورِ دو عالمؐ کے اسوۂ حسنہ کا تعلق ہے تو اس کے متعلق میں اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ:

ــــ ہر قدم پر بھٹکتی رہی زندگی ــــ ہر قدم پر وہ صدا دیتے رہے ــــ حیّ علی الفلاح ــــ حیّ علی الفلاح ــــ

اور سچ تو یہ ہے کہ

کہاں کہاں نہیں سورج کی روشنی پہنچی
یہ اور بات کہ اندازۂ سحر نہ ہوا

حقائق و عبر

۱ — سرکاری شریعت بل اور جماعت اسلامی کی قلابازیاں

حکومت کی طرف سے نافذ کئے جانے والے سرکاری شریعت بل میں شریعت نام کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی' دو کمیشنوں کا ذکر البتہ موجود ہے' ایک کمیشن مالی معاملات کے بارے میں اور دوسرا تعلیم کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے۔ یہ کمیشن اپنی رپورٹیں پیش کرنے کے لئے وقت کی قید سے آزاد ہیں۔ ایک وقت تھا کہ اس بل کو مسترد کروانے کے لئے جماعت اسلامی پیش پیش تھی۔ اس مقصد کے لئے اس نے تمام مذہبی جماعتوں کو منصورہ میں جمع ہونے کی دعوت دی جہاں جماعت اسلامی کی قیادت میں مذہبی قائدین نے شق وار جائزہ لے کر سرکاری شریعت بل کو مسترد کر دیا تھا' اس کے بعد حکومت کی نگہ التفات سے حالات بدلے تو جماعت اسلامی نے بھی اپنے موقف میں لچک پیدا کرنے کی راہ نکالی۔ چنانچہ سرکاری شریعت بل کو جسے غیر اسلامی کہہ کر یکسر مسترد کر دیا گیا تھا' اسلامی بنانے کے لئے پہلے "متنازعہ" پھر "قابل اصلاح" اور بالآخر "غنیمت ہے" قرار دے کر قبول کر لیا۔ بھیتر کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن بعض حلقوں کے نزدیک اس کی وجہ ماڈل ٹاؤن کے نزدیک سو ایکڑ سے زائد اراضی بھی ہو سکتی ہے جو منصورہ نمبر ۲ بنانے کے لئے جماعت اسلامی کو الاٹ ہوئی ہے۔ جماعت کے اس تدریجی سفر کی داستان جماعت کے ترجمان ہفت روزہ ایشیا نے اپنی چار اشاعتوں میں بیان کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۵ مئی ۹۱ء

"پاکستان میں مسلمانوں کے تمام مکاتیب فکر پر مشتمل دینی سیاسی جماعتوں کا ایک اجتماع ۲۳ اپریل ۱۹۹۱ء کو منصورہ میں منعقد ہوا جس میں قاضی عبدالطیف کی سربراہی میں قائم کردہ کمیٹی کی رپورٹ انجینئر سلیم اللہ خان نے پیش کی۔ اجلاس نے رپورٹ کی روشنی میں قومی اسمبلی میں پیش کردہ سرکاری بل پر تفصیل سے غور کیا۔ اجلاس نے شق وار بل کا جائزہ لینے کے بعد متفقہ طور پر سرکاری شریعت بل کو مسترد کر دیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ جو بل سینیٹ نے ۱۹۹۰ء میں منظور کیا تھا اسے قومی اسمبلی میں پیش کر کے

...ری طور پر منظور کیا جائے۔"

۳ مئی ۹۱ء

"امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد نے کہا ہے کہ حکومت نے جس شریعت بل کا اعلان کیا ہے ..س کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ حکومت سودی نظام کا تحفظ چاہتی ہے تو شرعی عدالت میں جائے۔ چاروں صوبوں میں امن و امان کی صورت حال انتہائی خراب ہے۔ حکومت کی طرف سے پیش کردہ شریعت بل تو اسی وقت متنازعہ بن گیا تھا۔"

۱۹ مئی ۹۱ء

"سرکاری شریعت بل کو بہتر بنانے کے لئے تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام نے متفقہ طور پر جو نکات تجویز کئے ہیں وہ بل میں شامل کئے جائیں انہیں حکومت جب تک تسلیم نہیں کرتی' جماعت اسلامی اس بل کو قبول نہیں کرے گی۔ حکومت اگر اسلامی شریعت کے نفاذ میں مخلص ہے تو وہ سینیٹ میں منظور شدہ شریعت بل کو دوبارہ پیش کرکے منظور کرا سکتی ہے۔ بصورت دیگر نئے سرکاری بل میں آٹھ جماعتی علماء فورم کی تجویز کردہ ترمیمات شامل کرکے بل کو پوری قوم کے لئے متفقہ اور قابل قبول بنایا جائے۔ مزید برآں وزیراعظم نے قرآن و سنت کو سپریم لاء قرار دینے کا جو وعدہ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں کیا ہے اس بارے میں آئین میں ترمیم کا بل جلد از جلد اسمبلی میں پیش کرکے منظور کیا جانا چاہئے۔"

۲۶ مئی ۹۱ء

"قومی اسمبلی سے منظور ہونے والا شریعت بل اگرچہ آئیڈیل نہیں ہے لیکن ہم اس کو اسلام کے نفاذ کی طرف پیش رفت سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک جب تک ہر سطح پر قیادت میں تبدیلی نہیں آئیگی' صرف قوانین کے ذریعے اسلامی نظام نافذ نہیں ہوگا۔"

۲۔۔۔۔ مولوی را مولوی مے شناسد

فارسی زبان کی یہ کہاوت ہمارے علماء پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی

صاحب کے ایک شاگرد رشید جناب جاوید احمد غامدی صاحب جو اپنے آپ کو روشن خیال عالم دین کے طور پر سامنے لائے ہیں۔ علمائے دین کا تعارف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

ارض وطن کے علماء بالعموم دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ ایک گروہ ان علماء پر مشتمل ہے جن کی اسلامی نظام زندگی کے احیا کی سعی و جہد صرف نماز جمعہ میں دعا تک محدود ہے اور دوسرے گروہ میں وہ علماء شامل ہیں جو حریف اقتدار بن کر میدان میں کھڑے ہیں۔ دونوں ہی رویے قابل اصلاح ہیں۔ پہلے گروہ کے علماء معصیت میں مبتلا ہیں اس لئے کہ دین حق کی سرفرازی کے لئے عملی جدوجہد یا اس سے تعاون سے اعراض بہرحال غلط ہے۔ ادھر دوسرے گروہ کے علماء کے بارے میں یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ مولوی محض اقتدار کا طالب ہے بلکہ اس سعی میں انہوں نے بہت کچھ کھویا بھی ہے' مثلاً عورت اگر اقتدار کی طالب ہوئی ہے اور وہ سیاسی مقاصد میں ان کی حلیف ہے تو انہوں نے کتاب الحیل سے اس کے لئے گنجائش نکال لی اور جہاں عورت نے ان کی خواہشات کے خلاف اقتدار سنبھالا تو پھر دین کا جھنڈا لے کر اس کی مخالفت میں کمر کس لی۔ حد یہ ہے کہ حکمران اگر ان کے دباؤ سے دین کی طرف راغب ہو سکتا تھا تو ان کی خود اقتدار حاصل کرنے کی سعی اس عمل کی راہ میں رکاوٹ بن گئی ہے۔

۳--- سرکاری شریعت بل نامنظور

اسلامی جمہوری اتحاد کے نائب صدر مولانا سمیع الحق صاحب قومی اسمبلی صاحب قومی اسمبلی کے منظور کردہ سرکاری بل کے متعلق فرماتے ہیں۔

محرکین شریعت بل سمیت ملک کی تمام قابل ذکر دینی و سیاسی جماعتوں نے سرکاری شریعت بل کو مسترد کر دیا ہے اور اسے قوم و ملت اور ملک کے نظریاتی اساس اور انتخابی وعدوں اور جمہوری اتحاد کے منشور سے غداری قرار دیا۔

۴--- مولانا فراہی کا طریقہ تفسیر

علامہ غلام احمد پرویز پر ایک الزام یہ بھی رہا ہے وہ قرآن کی تفسیر کرتے وقت ذخیرۂ حدیث سے کام نہیں لیتے تھے اس جرم میں وہ اکیلے تو پہلے بھی نہیں تھے لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ خود ان پر فرد

جرم عائد کرنے والے بھی اس جرم کے مرتکب سمجھے جانے لگے ہیں۔ جماعت اسلامی اپنے کسی زمانے کے امیر مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کے استاد مولانا فراہی کو زمانہ جدید کے امام المفسرین کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔ اب ان کے بارے میں ان کے کیا خیالات ہیں وہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے ایک شاگرد کی زبانی سنئے۔

۱ --- مولانا فراہی کی تحریریں مجموعی طور پر مغلق اور غیرواضح ہوتی ہیں۔

۲ --- مولانا کی تحریروں سے ذخیرہ حدیث کے سلسلہ میں تشکیک کا ذہن پیدا ہوتا ہے۔

۳ --- مولانا کے شاگرد خاص مولانا امین احسن اصلاحی کو اسی تشکیکی ذہن کی وجہ سے اپنی تفسیر میں آثار واحادیث سے استفادہ کی توفیق بہت کم ملی ہے۔

۴ --- پورا ذخیرہ حدیث قرآن مجید کی تفسیر ہے مگر فراہی اسکول کے لوگ اس کو بھی تفسیری روایات پر قیاس کرتے ہیں اور ذخیرہ حدیث سے استفادہ نہیں کرتے۔

۵ --- یہ لوگ اپنے قصور فہم کی وجہ سے ذخیرہ حدیث سے استفادہ کے بجائے جاہلی دور کے مشکوک کلام سے استدلال کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ماہنامہ اشراق مئی ۹۱

---

۵ --- امام بخاری رح

جامعہ محمدی جھنگ کے ترجمان ماہنامہ الجامعہ کی مئی و جون ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں امام بخاری پر ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں ان کی تصنیفات کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

الجامع الصحیح یعنی صحیح بخاری قرآن کریم کے بعد ایک افضل ترین کتاب ہے جس میں امام بخاری نے اپنی خداداد قابلیت' ذہانت' سعی و محنت کے بہترین رموز بیان کئے ہیں' امام بخاری کی دوسری اجمالی تصانیف میں سے چند یہ تھیں۔ التاریخ الکبیر' التاریخ الصغیر' خلق افعال العباد' اسامی الصحابہ' کتاب الوحدان' کتاب العلل' کتاب الکنی ادب المفرد' الصحابہ التعابعین' امام بخاری' کی تصانیف اتنی مستند ہیں کہ موجودہ دور میں پیدا ہونے والے تمام مسائل کا حل بھی ان میں موجود ہے' امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا امت مسلمہ پر یہ عظیم احسان ہے۔

ہماری دانست کے مطابق الجامعہ حنفی علماء کا ترجمان ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان علماء نے امام

بخاری صاحب کی ان مستند کتابوں میں سے کسی ایک کا بھی مطالعہ نہیں کیا ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ حنفی فقہ کے بانی امام ابو حنیفہ کو امام بخاری نے کیسی کیسی غلیظ گالیاں دی ہیں ان گالیوں کی ایک جھلک ان کی کتاب التاریخ الصغیر کے صفحہ ۱۷۱ پر نظر آتی ہے جہاں امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "نعوذ باللہ" اس جیسا بدبخت انسان ساری امت مسلمہ میں پیدا نہیں ہوا ان کے اصل الفاظ یہ ہیں:

ماولد فی الاسلام اشم منہ

تیرے سادہ لوح بندے کدھر جائیں؟

ہفت روزہ اہل حدیث نے اپنی ۳۱ مئی ۹۱ء مئی کی اشاعت میں حج کی اقسام بیان کرتے ہوئے ان تمام حاجیوں کو حج "تمتع" کرنے کا مشورہ دیا ہے جو قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہ لے جا سکیں جبکہ فرقہ اہل حدیث کی مستند کتاب نیل الاوطار جلد چہار کے صفحہ ۳۲۵ پر درج عبارت کے مطابق حضرت عمرؓ نے اس قسم کے حج سے مسلمانوں کو نہ صرف منع کر دیا تھا بلکہ حج "تمتع" کرنے والوں کو کوڑے بھی لگاتے تھے۔

طلوع اسلام: کیا یہ ممکن نہیں کہ حج کرنے والوں کو وہی حج کرنے دیا جائے جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو طلوع اسلام بابت مارچ ۱۹۹۱ء۔

درس قرآن بذریعہ ویڈیو

مقام گلی ۱۰ اے ۱۲۰۶ ۔ ۴۳۶ لانڈھی ۶ ۔ کراچی ۔ فون ۳۱۲۶۳۱

وقت اتوار ۔ ۸ بجے شب

تلاشِ گمشدہ

علامہ اسلم جیسراجپوری کی کتاب "تاریخ القرآن" کوئی صاحب فراہم کر سکیں تو مطلع فرمائیں

معرفت ۔ ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی گلبرگ لاہور

(قرآنی تعلیم بچوں کے لئے)
کفر اور کافر

پیارے بچو!

اسلام علیکم!

لاس اینجلس (امریکہ) سے ایک بچے نے شکایت کی ہے کہ گذشتہ سال فروری کے شمارہ طلوع اسلام میں آپ نے ایمان کے بارے میں تو بتایا کہ ایمان کیا ہوتا ہے لیکن ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا آپ نے یہ نہیں بتایا کہ کفر کیا ہوتا ہے۔ کسی بات کو سمجھانے کے لئے منفی اور مثبت دونوں سامنے لانا ضروری ہوتے ہیں۔ واقعی ہم سے کوتاہی ہوئی' توجہ دلانے پر ہم اپنے "بیٹے" کے ممنون ہیں۔ تو آج ہم آپ کو کفر اور کافر کا قرآنی مفہوم بتائیں گے۔ اچھا بھئی ایمان کے معنی تو یاد ہیں نا! کسی سچائی کو دل سے پورے اطمینان کے ساتھ تسلیم کرنے یا ماننے کو ایمان کہتے ہیں۔ تو سیدھے سادے الفاظ میں ایمان کا مطلب ہوتا ہے تسلیم کرنا' ماننا' اطاعت کرنا۔ لیکن ہم نے بتایا تھا کہ قرآنی مفہوم کے مطابق یہ معنی نامکمل ہیں۔ قرآن صرف مان لینے' تسلیم کر لینے یا اطاعت کرنے کو "اندھا یقین" کہتا ہے۔ قرآن کے نزدیک ایمان کے معنی ہوتے ہیں عقل' علم اور غور و فکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچنا اور پھر اس کی سچائی کو دل سے تسلیم کرنا ایمان۔ کی ضد ہوتا ہے کفر۔ جیسے اجالے کی ضد اندھیرا' دن کی ضد رات اور سچ کی ضد جھوٹ ہوا کرتا ہے۔ کفر کے معنی ہوتے ہیں ڈھانپ لینا' چھپا لینا' پردہ ڈال دینا' جب کسی چیز کو ڈھانپ دیا جائے اس پر پردہ ڈال دیا جائے' تو وہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور عملاً ہم اس چیز کے منکر ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر روشنی میں ہوں تو ہم اندھیرے کا انکار کر رہے ہوتے ہیں کہ اندھیرا ہے نہیں۔ اگر روشنی نہ ہو' اندھیرا ہو تو ہم روشنی کے عملاً منکر ہوتے ہیں۔ کیونکہ روشنی کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ ہم منہ سے انکار کریں یا نہ کریں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شعوری اور لاشعوری طور پر ہم روشنی کے عملاً منکر ہو جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے کفر کے ایک معنی انکار بھی ہو گئے اور کافر کے معنی انکار کرنے والا۔ ایمان کے مقابل میں کفر کے یہی معنی ہوتے ہیں یعنی قرآن کی سچائی اور صداقت کا انکار کرنا۔ تو بات یوں بنی کہ قرآن کریم قانون

کی سچائی اور صداقت کو تسلیم کرنا اور پھر اس قانون کے مطابق زندگی گزارنا ایمان ہے اور اس کے خلاف زندگی بسر کرنا کفر ہے۔

بچو! قرآن کریم کی رو سے کافر کا لفظ کوئی گالی نہیں ہے۔ جو بھی کسی حقیقت کا انکار کرتا ہے وہ اس حقیقت کا نہ ماننے والا یعنی کافر ہوتا ہے۔ آپ ایک پارٹی بناتے ہیں جو لوگ اس میں شامل ہوتے ہیں انہیں اس کا ممبر کہا جاتا ہے۔ جو اس میں شامل نہیں ہوتے وہ غیر ممبر (Non – Members) کہلاتے ہیں یہی فرق مومن اور کافر کا ہے۔ اسلامی معاشرہ یا قرآن پر ایمان لانے والی جماعت کے ممبروں کو مومن کہا جاتا ہے اور جو لوگ اس میں شامل نہیں ہوتے یا شامل ہونے سے انکار کرتے ہیں وہ (Members Non) یعنی کافر ہوتے ہیں۔ (لغات القرآن صفحہ ۱۴۴۰) ایک شخص کے سامنے قرآن کریم کی وہ صداقتیں پیش کی جاتی ہیں' اسے ان کا مفہوم اور مطلب سمجھایا جاتا ہے' وہ ان پر غور و فکر کرتا ہے اور اس کے بعد دل سے انہیں تسلیم کر لیتا ہے' اس طرح ایمان لانے والے کو مومن کہتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسرا شخص ہے' اس کے سامنے بھی اسی طرح قرآنی صداقتیں پیش کی جاتی ہیں لیکن وہ انہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے' اس طرح کفر کرنے یعنی انکار کرنے والے کو کافر کہتے ہیں' قرآن کریم میں ہے۔

"حق تمہارے رب کی طرف سے آگیا ہے اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کی راہ اختیار کر لے۔ (۲۹ ر ۱۸؛ ۳ ر ۷۶ بچو سورۃ توبہ میں اللہ نے ایمان لانے والوں سے کہا) کہ "تم اپنے باپ اور بھائیوں (انتہائی قریبی' خون کے رشتوں) کو بھی اپنا دوست نہ بناؤ (اور ان سے کوئی تعلق نہ رکھو) اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کریں۔ (۲۳ ر ۹) تو بھئی سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم اگر قرآن کریم کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں تو کیا یہ صرف "اندھا یقین" ہے یا ہم نے خوب غور و فکر کے بعد پھر اس کی سچائی کو دل سے تسلیم کیا ہے۔ اگر غور و فکر کے بعد دل سے تسلیم نہیں کیا تو پھر تو قرآن کی رو سے ہم مومن ہی نہیں ہوئے۔ لیکن جب اس طرح ایمان لے آئیں تو پھر ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہو گا جو اس طرح ایمان لانے والوں میں سے نہیں ہوں گے خواہ وہ کتنے ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ قرآنی اصطلاح میں انسانوں کی دو ہی قسمیں ہوتی ہیں' ایک وہ جو ایمان لے آتے ہیں اور دوسرے وہ جو ایمان نہیں لاتے یعنی مومن اور کافر (سورۃ التغابن آیت ۲) اور جو کفر اختیار کرتا ہے اس کا خمیازہ وہ خود بھگتتا ہے (۳۹ ر ۳۵) قیامت میں کفار اپنے اعمال کے نتائج دیکھ

...چیخ اٹھیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش ہم مٹی کا تودہ ہوتے۔ (۴۰ر ۷۸)
پیارے بچو! یوں تو قرآن کریم کی کسی ایک بات پر عمل نہ کرنا بھی کفر کہلاتا ہے لیکن دو باتیں یعنی دو ...ایسے ہیں جن کے لئے اس قدر شدید عذاب ہے جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اور کم از کم کفر کو تو ...ہیں فوراً ہی چھوڑ دینا چاہئے۔ ایک خود کو کسی فرقہ' گروہ' پارٹی یا ذاتوں میں تقسیم کر لینا اور دوسرا سود لینا ... سود دینا۔ دیکھو ان دو کو اللہ نے کس قدر شدید کفر قرار دیا ہے ——— فرمایا "یاد رکھو تم ان لوگوں کی ...طرح نہ ہو جانا جو واضح ہدایت آ جانے کے بعد بھی فرقوں میں بٹ گئے! یہ بڑا سنگین جرم ہے اور اس کی ...سزا بھی بڑی سخت ہے اس سے قومیں ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ ان کے لئے ذلت' تباہی رو سیاہی کا عبرت انگیز عذاب ہے (۱۰۴ : ۳ ۱۶۰ : ۷ ۱۳ : ۴۲) اور سود کے بارے میں فرمایا "اے جماعت مومنین تم سود (ربوٰی) کا نظام اختیار نہ کر لینا کہ معاشرتی تباہی و بربادی میں سب سے بڑا حصہ "سود" کا ہوتا ہے اگر تم نے محنت کی کمائی کے بجائے سود کو اپنا لیا تو تمہارا معاشرہ جہنمی بن جائے گا (۱۳۰۔ ۱۲۹ : ۳) اللہ نے اسے اپنے اور اپنے رسول کے خلاف بغاوت کہا ہے اور اسے اللہ اور رسول کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا ہے۔ (۲۷۹ : ۲)

قاسم نوری

SMALL PEOPLE DISCUSS ***PERSONS***

AVERAGE PEOPLE DISCUSS ***EVENTS***

GREAT PEOPLE DISCUSS ***IDEAS***

GENIUS PEOPLE ACT ***SILENTLY***

مطبوعات
النور پرنٹرز و پبلشرز

3/2 فیصل نگر، ملتان روڈ- پوسٹ بکس 4190، لاہور- 25
ٹیلیفون 042-485826

نمبر	کتاب	قیمت
-1	قبلہ اول- بیت المقدس کے مسلمانوں کا قبلہ اول ہونے کے عقیدے کا جائزہ قرآن کریم کی روشنی میں- از حسن عباس رضوی مرحوم	=/45 روپے
-2	لسان القرآن- عربی خود سیکھیے از پروفیسر رفیع اللہ شہاب	" =/35
-3	وطن کی مٹی گواہ رہنا- از پروفیسر محمد مظفر مرزا	" =/50
-4	تحریک پاکستان گولڈ میڈل- اعزاز یافتہ کارکنان تحریک پاکستان کا مکمل تعارف مرتبہ شعبہ تحریک پاکستان محکمہ اطلاعات و ثقافت- حکومت پنجاب	" =/120
-5	عزیز بھٹی شہید نشان حیدر- پاکستان کے مایہ ناز مجاہد کی داستان حیات- از اصغر علی گھرال	" =/150
-6	تاریخ پنجاب اور افاغنہ قصور کا کردار، از محمد ایوب خان	" =/140
-7	المعجم المفہرس- قرآنی الفاظ کا انڈکس اور ان کے مادے :-	
	اعلیٰ ایڈیشن	" =/400
	سٹوڈنٹ ایڈیشن	" =/200
-8	حکایت صادق- تحریک پاکستان گولڈ میڈلسٹ پروفیسر محمد صادق چوہدری کی داستان جہاد از پروفیسر منظور الحق صدیقی	" =/40
-9	Sir Sayed Ahmad Khan As An Educationist By Prof: Shamim Anwar	" =/50
-10	Practical Handbook of Income Tax By Ikramul Haq	
	(i) Professional Edition Complimented By Update Service	" =/500
	(ii) Student Edition	" =/200
-11	Pakistan: From Hash To Heroin By Ikramul Haq	" =/200
-12	Golden Jubilee of The Pakistan Resolution By Prof: Rafiullah Shahab	" =/120

زیر طبع کتب

-1 احکام القرآن میں تحریف- مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن اور اصلاحی صاحب کی تفسیر تدبر قرآن کا ناقدانہ جائزہ- از پروفیسر رفیع اللہ شہاب

-2 قعر غلامی سے عرش آزادی تک - از پروفیسر محمد مظفر مرزا-

-3 اشاریہ مجلہ طلوع اسلام- ۱۹۳۸ تا ۱۹۹۰ مرتبہ خادم علی جاوید- لائبریرین اقبال اکیڈمی

-4 اقبال کا مرد مومن- مرتبہ خادم علی جاوید- لائبریرین اقبال اکیڈمی-

-5 علامہ اقبال کا نظریہ تعلیم مرتبہ خادم علی جاوید لائبریرین اقبال اکیڈمی

-6 دولت پرویز- مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویز کی قرآنی فکر اپنے افکار و خیالات کی روشنی میں- مرتبہ محمد عمر دراز

BOOK REVIEW

Name	PAKISTAN: FROM HASH TO HEROIN
Author	IKRAMUL HAQ
Publishers	ANNOOR PRINTERS & PUBLISHERS.
Pages	174
Price	Rs. 200

The book is introduced with the following inscription on back page, which we think is the true indicant of the book:-

"Considerable concern is being expressed these days about the growing use of various drugs among the people. It is important, however, that this concern should not be exaggerated by misconceptions and misunderstandings. An attempt is being made in this book to provide an objective analysis of the recent trends in drug abuse, the problem of trafficking effectiveness of the preventive laws, operational capabilities of the law-enforcing agencies, education and treatment programmes.

The book covers not only the Government's response to the problem but also attempts a brief review of the current theories of the causes of the problem. The Book begins with an overview of some of the most important current crisis related to drug addiction, including the findings of recent research reports on incidence and pattern of drug abuse.

The author exposes the vested-interests involved, the graft and corruption behind the scenes, and the hypocrisy of governmental controls."

We are sure that the book will go a long way in pin-pointing the causes and roots of this social evil and curing them, if there is still a desire to do so in the minds of those who are at the helm of affairs in Pakistan.

ANNUAL SUBSCRIPTION OF MONTHLY TOLU-E-ISLAM

Inland : Annual Rs. 120.00 - Per copy Rs. 10.00

Foreign: Annual Equivalent 18 US Dollars
Per copy Equivalent 1.5 US Dollars